ردائے وفا

فرحین اظفر

فرحین اظفر

دھوکے وفا

کلرک کے کاؤنٹر کے آگے عورتوں کی لمبی قطار تھی۔ میلی کچیلی' غربت سے بے حال اور بدحال' گندی اوڑھنیاں سروں پر لٹکائے' مٹی دھول میں اٹے پیروں میں گھسی ہوئی چپلیں۔

قطار میں کھڑی سب عورتوں کے حلیے تقریباً" ایک جیسے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ڈھنگ سے اردو بولنا تک نہیں جانتی تھیں۔

چھوٹے چھوٹے گندے حلیوں والے بچے۔ جن کے کانوں میں میل چڑھی منت کی بالیاں' کڑے اور تو اور کسی کسی کی گردن میں بندھے سیاہ یا سفید دھاگے۔ لمبے سے کوریڈور میں یہاں سے وہاں بھاگتے پھر رہے تھے۔

پورے برآمدے میں جس کی بائیں جانب کی دیوار میں لوہے کی بڑی بڑی گرل نصیب تھیں اور داہنی دیوار کی جانب ڈاکٹروں کے کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ایک شور سا برپا تھا۔ اس نے مین گیٹ سے اندر آتی روش پر قدم رکھتے ہی دور سے یہ منظر ملاحظہ کیا اور دل میں کوفت کی ایک لہر اٹھی۔

وہ ابا کو لے کر تقریباً" ہر مہینے اور کبھی مہینے میں دوبار بھی یہاں آتی تھی۔ ہمیشہ ایک سا منظر' ایک سی خواری اور بے زاری۔ ہاں مگر اب یہ بے زاری دھیرے دھیرے ختم ہو کر ایک نادیدہ شوق زیب تن کرنے لگی تھی۔ جو فی الحال کسی کی بھی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ برآمدے میں لے جانے کے بجائے اس نے ابا کو گھاس کے اس وسیع قطع میں لے جا کر ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں رکھی پتھر کی ٹھنڈی بینچ پر بٹھا دیا۔ جو مریضوں' تیمارداروں اور عیادت کی غرض سے آئے ہوئے رشتے داروں کے لیے ویٹنگ روم کا درجہ رکھتا تھا۔

"میں آتی ہوں پرچی لے کر۔" وہ ابا کو بٹھا کر اس طویل قطار سے سجے برآمدے کی طرف بڑھی جہاں نصب کاؤنٹر کے دوسری طرف کوئی شخص بیٹھا بڑی تندہی سے مریضوں کے نام اور نمبر لکھ لکھ کر پرچیاں بنانے کا کام کر رہا تھا۔ نائلہ کو قطار میں لگنے یا انتظار کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

وہ محض کاؤنٹر کے پاس جا کے کلرک کو اپنی شکل دکھا کے پلٹی۔ ایک لحظے کے نگاہوں کے اس ٹاکرے پر مقابل کے ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ اس نے دیکھ لی تھی۔ اب اس کے اپنے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف بنے لان میں چلی آئی۔ بڑے بڑے درختوں کی چھاؤں میں سورج مکھی کے پھولوں کا ایک گھنا کنج تھا۔ اس کے پیچھے بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اطمینان کیا کہ اس وقت وہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی دو' تین بار یہاں آچکی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ جب اس نے شبیر حسین عرف شبو کو اس حصے کی طرف آتے دیکھا۔ اس کے لبوں پر میکانکی انداز میں مسکراہٹ سی آگئی۔

"آگئیں تم۔۔۔ کتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے' کیسی ہو۔" وہ آتے ہی بے تابی سے بولتا ہوا اس کے برابر بینچ پر بیٹھ گیا۔ نائلہ اتنی بے تکلفی پر ذرا کی ذرا سمٹ گئی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"اور تمہارے ابا۔" نائلہ نے ان کے ذکر پر ایک گہری مضمحل سانس کھینچی۔

"وہ بھی ویسے ہی ہیں۔ کبھی ٹھیک ہو جاتے ہیں' کبھی درد زور پکڑ لیتا ہے۔" نائلہ کے لہجے میں اداسی اتر آئی۔ جبکہ وہ اس کے انداز کے برعکس قمیص کی سائیڈ کی جیب کھنگال رہا تھا۔

"خبردار میرے سامنے پان مت کھانا' ورنہ ابھی چلی جاؤں گی۔" اس کی بات پر اس نے ایک ادا بھری شرارتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"اوئے ہوئے.... کیا بات ہے میری شہزادی' آج تو بڑی تیکھی ہو رہی ہو۔"

"اور نہیں تو کیا' زہر لگتے ہیں مجھے تمہارے یہ لال لال دانت اور ہونٹ۔"



"اچھا اور اگر نہ کھاؤں تو' تب تو اچھے لگتے ہیں نا۔" اس نے خباثت سے ایک آنکھ دبائی۔ نائلہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ہائے ہائے یہ ادائیں ظالم۔"

"فضول بہت بولتے ہو تم۔ اپنی عمر دیکھو اور یہ چھچھورے انداز دیکھو۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے احساس دلا گئی۔

"ہاں بھئی۔ ہم ٹھہرے عمر رسیدہ بڈھے کھوسٹ' ساری چونچالی تو تمہارے جیسی کچی کلیوں کے لیے ہے۔" وہ ذرا کی ذرا سنجیدہ بلکہ رنجیدہ سا ہوا۔ مگر وہی اپنے بے ہودہ انداز میں۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے فوراً" ہی معذرت خواہانہ انداز اپنایا۔

"اور تم کوئی بڈھے کھوسٹ تو نہیں۔ اچھے بھلے جوان مرد ہو۔"

"اچھا!" وہ معنی خیزی سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"تو کبھی ہمیں اپنی جواں مردی آزمانے کا موقع بھی دے دو یا یوں ہی ٹرخانے کا ارادہ ہے۔" نائلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ارے کہاں چلیں اتنی جلدی۔" اسے اٹھتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"بس اب چلتی ہوں۔ ڈاکٹر سے ملوا دو' ابا بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"رک تو جاؤ' چلی جانا' دو گھڑی بیٹھو' کچھ کھا پی تو لو۔" وہ بڑی مخلصانہ اپنائیت سے اس کی کلائی تھام کر کہہ رہا تھا۔ نائلہ نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"اگلی بار آؤں گی تب کھلانا۔ ابھی تو ڈاکٹر سے ملوا دو۔ دیر ہو گئی تو آئندہ سے ابا ساتھ نہیں لائیں گے۔" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی بلڈنگ کے سامنے والے حصے کی طرف جانے لگی۔



ڈھولک کی تاپ کے ساتھ پڑنے والی تالیاں جتنی ہم آہنگ تھیں' وقفے وقفے سے اٹھتے قہقہے اتنے ہی مربوط' گو کہ ڈھولک اور تالیاں پیٹتی لڑکیوں کی تعداد انتہائی مختصر تھی۔

ایک محلے کی لڑکی جس سے ذرا جان پہچان تھی۔ ایک سوہا کی اور ایک ماہا کی کالج فرینڈ۔۔۔ کل ملا کے یہی تین لڑکیاں دو دن بعد ہونے والی شادی کی تقریب تک کے لیے دستیاب تھیں اور شادی والے گھر میں لگائی جانے والی تمام تر رونق کے لیے دل و جان سے تیار بھی۔

مہمان خصوصی یعنی دلہن صاحبہ کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھیں۔ اس بات سے قطعی بے نیاز کہ کچھ دیر بعد انہیں مایوں بٹھائے جانا ہے۔

ماہا ڈھٹائی کی انتہا پر پہنچی' زور زور سے تالیاں پیٹنے اور سوہا کے سسرال والوں کے متعلق چٹکلے چھوڑنے میں مصروف تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سسرال میں شامل افراد کی انتہائی قلیل تعداد کا ایک رکن اس وقت صحن کے ایک کونے میں امی سے انتہائی تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے گفت و شنید میں مصروف ہے۔

ہر بار ماہا کی کسی پھبتی کے جواب میں امی اس پر ایک تنبیہی نظر ڈال کر اسے پکارتیں۔

"ماہا!" اور فوراً" ہی قل قل کرتی ہنسی کی پھوار برسنے لگتی۔

"چلو اب بس کرو' مغرب ہونے والی ہے۔" امی نے کچن سے چائے لے کر نکلتی سوہا کو دیکھ کر محفل برخاست کی۔

لڑکیاں بھی شرافت سے اٹھ کر اندر کمرے میں سمٹ گئیں۔ سوہا نے جھکی ہوئی نظروں سے اپنی والدہ اور دیور کے سامنے چائے کے کپ رکھے۔

"میں تو کہہ رہا تھا انس سے بھی کہ چلے چلو' گھر والا معاملہ ہے۔ کوئی غیریت تھوڑی ہے۔ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" زیر بحث موضوع گفتگو سے قطع نظر اس نے یہ بات سراسر سوہا کو چھیڑنے کے لیے کی تھی۔ جواباً" اس کے ہونٹوں پر بمشکل دبی ہوئی مسکراہٹ چاند چہرے پر چمکنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔" امی بھی جواباً" ہنسنے لگیں۔

"خوش ہو جاتے سب لوگ۔" امی نے بھی چھیڑ خانی میں حصہ لیا۔ وہ بری طرح جھینپ کر چائے کی ٹرے سنبھالتی اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



نوک دار سلائی سے اس نے آنکھوں کی نچلی سطح پر کاجل کی گہری تہ جمائی۔ ایک سرور کے عالم میں آنکھیں بند کر کے کھولیں' دو تین بار پلکیں زور زور سے جھپکیں' پھر ماتھے پر شکن سجا کے آئینے میں نظر آتے اپنی بہن کے عکس کو دیکھا۔ بیڈ سے پیر نیچے لٹکا کر بیٹھی اس کا منہ بھی کچھ لٹکا ہوا ہی تھا۔

"اوفوہ! یہ شکل لے کر جاؤ گی اوپر۔" اس نے کاجل کی ڈبیا آئینے کے سامنے پٹخی۔ سامنے بیٹھے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔

"اٹھو۔ اٹھ کر سینڈل نکالو' تم تو ایسا لگ رہا ہے جنازے میں۔۔۔ توبہ۔۔۔" یہ گفتگو اس کی طبیعت کا خاصا تھی' مگر صرف نائلہ کے سامنے۔ اس نے پلٹ کر ایک شکایتی نگاہ اپنی بہن کے چہرے پر ڈالی۔

"جنازہ ہی ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"میرے خوابوں اور امیدوں کا۔"

"اللہ نہ کرے' چھوڑو یہ فضول کی باتیں۔" اس نے تہ کیا ہوا دوپٹا کھول کر جھٹکا' پھر شانوں پر پھیلا لیا۔

"میں نہیں جا رہی۔" وہ خفا خفا سی تھی۔

"کیوں نہیں جا رہی' انس نے کی ہے نا شادی' حدید تو ابھی باقی ہے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر ہنسی۔

"تو کیا ہوا۔ وہ چھوٹی بہن سے کرے گا۔" نائلہ کی بات پر اس کے دل پر ہاتھ پڑا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے اختیار دہل سی گئی۔

"حدید کو تو اسی گھر کا داماد بننا ہے۔ ہر حال میں' چاہے زمین آسمان ادھر ادھر ہو جائیں۔" اس نے ایک بار پھر آئینے میں اپنی تیاریوں پر نظر ڈال کر اطمینان کیا۔

"اب اٹھ بھی چکو۔ پتا ہے جب سے رشتہ لگا ہے تم ایک بار بھی مبارک باد دینے نہیں گئیں۔ اب اس طرح کی حرکتیں کرو گی تو سب کو شک ہو گا کہ شاید تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔"

"تو لگنے دو نا' مجھے کیا۔" وہ حد درجہ بے زار تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔ کیوں فضول میں لوگوں کو خود پر باتیں بنانے کا موقع دے رہی ہو۔ ارے ایسے ری ایکٹ کرو۔ جیسے تمہارے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔" معفت عمر میں اس سے کم سہی' لیکن سمجھ داری میں اس سے کہیں زیادہ تھی اور کچھ مثبت بھی۔ نائلہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ بات دل کو لگی تھی۔" وہ دوپٹا سنبھالتی اٹھ گئی۔



کمرے کی دیواروں پر تازہ ترین پینٹ چمک رہا تھا۔ نئے نئے ڈسٹمپر کی تازہ خوشبو کمرے کی فضا میں

چکرائی۔ جسم و جاں کو ایک انوکھی سی تازگی بخش رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دھیرے سے صحن میں کھلنے والی کھڑکی کے پٹ وا کیے۔

پورے چاند کی چاندنی صحن میں چٹکی ہوئی تھی۔ رات کی رانی کی مہک اپنے جوبن پر تھی اور اس کے حواسوں پر کسی کی یاد دو دن' فقط دو دن کی دوری درمیان میں تھی اور اسے لگ رہا تھا جیسے یہ دو دن کھنچ کر دو صدیاں بن چکے ہیں۔

"سوہا!" لبوں نے چپکے سے اس کا نام لیا اور ایک میٹھا تبسم' بن بلائے مہمان کی طرح زبردستی چہرے پر چلا آیا۔

"آئی لو یو' آئی مس یو۔" ہزار بار کا کیا گیا اظہار' ایک بار پھر تجدید کی صورت میں دل سے نکل کر خاموش فضاؤں سے ہم آہنگ ہو گیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ سوہا کے سامنے یہ بات اب تک کہہ نہیں پایا تھا یا کہہ نہیں سکتا تھا۔ مگر بس۔۔۔ جب بھی کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہا' اس کی متحمل مزاجی اور ماحول کی نزاکت کا احساس آڑے آگیا۔

"میری ہی تو ہے' جب گھر آجائے گی' تب کہہ دوں گا۔" اس نے ہمیشہ ہی یہ سوچ کر اپنی بات ہونٹوں میں روک لی۔

یوں بھی سوہا کی شخصیت میں حیا کا عنصر اتنا زیادہ تھا کہ وہ کھل کر زیادہ دیر اپنی بات نہیں کرپاتا تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد جب بھی اس سے سامنا ہوا وہ اسے مسکراتی ہوئی ملی۔ وہ ایک بار بطور خاص اس سے ملنے بھی گیا۔ اس نے زیادہ تر باتوں کے جواب' صرف سر کی جنبش یا ہوں ہاں میں ٹال دیے اور خود سے کوئی بات تو وہ کرتی ہی نہ تھی۔ انس کے لیے اس کا خاموش وجود بھی نگاہوں کے کسی پسندیدہ اور دلفریب منظر سے کم نہ تھا۔ کبھی تو یوں ہی بے مقصد باتیں کیے چلا جاتا اور کبھی بس چپ چاپ اپنی نگاہوں کی تپش سے اس کے سلگتے رخسار اور پگھلتا وجود دیکھ کر حظ اٹھاتا۔

خوش رنگ یادوں کی عمر کتنی مختصر تھی۔ مگر ان تھوڑی سی یادوں میں اتنی جان ضرور تھی کہ تنہائی میں بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ چمک اٹھی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے کھڑکی بند کردی۔ دروازے پر اسی پل دستک ہوئی۔

وہ کمرے سے نکلا۔ دروازے پر غالباً حدید تھا۔ جو سوہا کی بری میں چڑھائے جانے والے زیورات لے کر اس کے گھر گیا تھا۔ چند جوڑے جو انس نے اپنی پسند سے سوہا کے لیے لیے تھے۔ میچنگ سینڈلز اور پرس وغیرہ وہ خود ہی لے آئی تھی۔ بری میں بس مختصر سا ہی سامان تھا یا پھر ایک گولڈ کا سیٹ اور ان کی امی کی نشانی دو چوڑیاں' جو انس اور حدید دونوں کی دلہنوں کے لیے رکھی تھیں۔ فی الحال حدید کے مشورے پر دونوں ہی چوڑیاں سوہا کو دی جارہی تھیں۔ حدید نے اپنی بھابھی کی منہ دکھائی کے لیے کیا لیا تھا۔ یہ اس نے ابھی تک نہیں بتایا۔ سیڑھیاں اتر کے صحن عبور کرنے تک' ذہن میں آنے والی تمام ہی سوچیں سوہا اور حدید سے جڑی تھیں۔ وہ دل و دماغ کی بے اختیاری پر خود بھی مسکرا دیا اور بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر حدید نہیں تھا۔

"اوئے۔۔۔ تم لوگ یہاں۔" آنے والوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی اور حیرت یکساں لہرائی تھی۔



"امی کو دیکھو ذرا' حدید بھائی کے ساتھ مل کر مجھے چھیڑ رہی ہیں۔" سوہا نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ٹرے رکھ کر جلدی سے دروازہ بھیڑ دیا۔

"ویسے یار ماہا ایک بات تو بتاؤ۔" دروازہ بند کرنے کی دیر تھی کہ ماہا کی دوست اٹھ کر بند دروازے کی جھری سے

کسی چھپکلی کی طرح چپک گئی۔ جیسے وہ اتنی دیر سے اسی موقع کی تلاش میں تھی۔

"انس بھائی کیا بالکل حدید جیسے ہیں۔"

"تو انہیں دیکھو۔" ماہا اور سوہا ایک ساتھ ہنس دیں۔

"انس کے ساتھ بھائی اور ان کو صرف حدید۔" اس نے بھائی اور حدید پر خاص زور دیا۔

"محترمہ ان دونوں کی پیدائش میں صرف پانچ منٹ کا فرق ہے۔" ماہا نے پانچوں انگلیاں کھول کر اس کے منہ پر پھیلائیں۔ اس نے جلدی سے ماہا کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تو مجھے لعنت کیوں دکھا رہی ہو۔" وہ پھر سے دلجمعی سے تاڑنے میں لگ گئی۔

"اس لیے کہ تم ان کو بھی بھائی بولو۔ کوئی ہنشی منٹ نہیں ملے گی۔" ایک بار پھر سب کی مشترکہ ہنسی گونجی۔

"میں ایویں کہوں ان کو بھائی۔ انس بھائی تو ہوگئے' اپنے دولہا بھائی' ہاں اگر انہوں نے تمہیں لفٹ کروادی تو ہم ان کو بھی کہہ دیں گے بھائی۔" اب کے اس نے سوہا کے ہاتھ پہ تالی ماری' ماہا خفیف سی ہوگئی۔ باقی سب کو اسے چھیڑنے کا موقع مل گیا۔ "چائے پی لو' ٹھنڈی ہونے سے پہلے۔" کمرے میں یہی موضوع گرم تھا۔ جب عفت اور نائلہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ گو کہ کوئی ایسی رازداری کی باتیں نہیں ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا انداز ایسا تھا کہ سب ہی لڑکیاں اپنی اپنی جگہ چپکی ہو گئیں۔

"کیا بات ہے ہم غلط وقت پر آگئے کیا۔" نائلہ کی آواز میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی آگئی۔

"نہیں' نہیں' آؤ نا بھئی' کب سے تو بلا رہی ہوں تم لوگوں کو۔" ماہا نے سنبھل کر ان کا خیر مقدم کیا۔

"ہاں یہ لوگ تو کافی دیر سے گانے وغیرہ گا رہی تھیں۔ تم لوگ بھی آجاتیں تو اور مزا آتا۔" سوہا بھی خلوص سے بول اٹھی۔

"اما کو کھانا کھلانا ہوتا ہے نا' اس میں دیر ہوگئی۔" عفت کے لہجے اور انداز نائلہ کے برعکس دوستانہ تھا۔ دونوں اندر آکے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ پڑوس سے آئی ہوئی لڑکی جاچکی تھی۔ سوہا سسرال سے آیا ہوا سیٹ نکال کر انہیں کو دکھانے لگی۔ جوڑے' جیولری' عفت نے بہت تعریف کی۔ البتہ نائلہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی چڑچڑاہٹ اور بے زاری کو ان کی دوستوں نے بھی محسوس کیا۔ حدید جانے سے پہلے ان لوگوں کے پاس آیا۔

"سوہا کے لیے ایک میسج آیا ہے۔" وہ سیل نکالے کھڑا تھا۔ ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ' لمبا قد' گندمی رنگت اور بادامی آنکھیں۔ ماہا نے محسوس کیا' کمرے میں موجود سب ہی لڑکیوں کی نظریں اس پر جمی تھیں اور سب ہی نظروں میں اس کے لیے پسندیدگی اور ستائش تھی۔

دل ہی دل میں اس نے سوہا کی قسمت پر فخر محسوس کیا۔ کیونکہ انس حدید کا جڑواں بھائی تھا اور ظاہری شخصیت کی حد تک دونوں میں بے حد مماثلت تھی۔

"رہنے دیں' مجھے پتا ہے ایویں کوئی فضول سا میسج ہوگا۔" سوہا شرمائی سی بولی۔

اسے حدید سے بہت شرم آتی تھی۔ ایک تو اپنے رشتے اور اس کی بے تکلفی کی وجہ سے۔ دوسرے یوں کہ جب وہ پورے قد سے نازک سی سوہا کے سامنے کھڑا ہوتا تو اسے انس کا خیال آتا رہتا۔ اس سے بات کرنی محال ہو جاتی۔

"نہیں' نہیں' انس نے بھیجا ہے' خاص آپ کے لیے۔"

"مجھے نہیں دیکھنا۔" وہ نگاہیں چرا رہی تھی اور حدید زبردستی موبائل اسکرین اس کے سامنے کیے جا رہا تھا۔ نائلہ نے ان کی بے تکلفی کو دیکھ کر عفت پہ نظر ڈالی۔ دونوں کے لیے یہ منظر ہضم کرنا مشکل تھا۔

"رہنے دیں نا' اچھا ان سے کہیے گا میرے سیل پر بھیج دیں میں پڑھ لوں گی۔" اس نے بات ہی ختم کردی۔ وہ

مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔
"بہت شرارتی ہوتے جارہے ہو تم۔" امی نے محبت سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ لڑکیاں اسے سر سہلاتے ہوئے دیکھ کر کھلکھلانے لگیں۔
"تم نے موبائل لے لیا سوہا۔ ہمیں نہیں بتایا۔" اس کے جانے کے بعد نائلہ سوہا سے پوچھنے لگی۔
"ہاں بس ابھی تو لیا ہے۔" اس سے کوئی جواب نہیں بنا۔ بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات تھی کہ اس نے موبائل لے لیا ہے۔
"اچھا! انس نے بھجوایا ہوگا۔ باتیں واتیں کرنے کے لیے۔" بظاہر تو اس نے بہت گہری سہیلی بن کر سوہا کو چھیڑنا چاہا تھا۔ مگر وہ دونوں ہی بہنیں نائلہ اور عفت کا مذاق اور مزاج خوب سمجھتی تھیں۔
"نہیں وہ دینے کا کہہ رہے تھے۔ مگر ہم نے خود ہی منع کر دیا۔ یہ تو ہم دونوں نے اپنی سیلری جمع کر کے لیا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی یوز کرتے ہیں' دیکھو۔" اب کی بار ماہا نے مدلل اور مفصل جواب دینے کے ساتھ ہی ڈریسنگ پر سے اپنا نیا نکور سیل اٹھا کے نائلہ کے ہاتھ میں تھمایا۔
وہ جانتی تھی جب تک ان بکس نہ دیکھ لے چین نہیں ملے گا۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ انس اور سوہا کے بیچ میں رابطہ تھا تو مگر۔۔۔ اتنا حد سے بڑھا ہوا نہیں تھا۔
حسب توقع جب وہ اپنی دوستوں کو خدا حافظ کہنے کمرے سے نکل رہی تھیں' تو ماہا نے دیکھا۔ نائلہ اور عفت دونوں ہی بری طرح اس کے موبائل میں غرق تھیں۔ پرائیویسی کس چڑیا کا نام ہے۔ انہیں دور دور تک پتا نہ تھا۔



شادی کا موقع کسی کی زندگی میں۔۔۔ بہت خاص اور خوشیوں بھرا ہوتا ہے اور جب جیون ساتھی من پسند ہو تو اور بھی زیادہ۔ اس لیے بھی تھا ایسے میں اس کے دوستوں اور کولیگز کی آمد۔ انس انہیں اپنے گھر پہ دیکھ کر بے انتہا خوش تھا۔
یہ وہ کولیگز تھے جو صرف آفس تک محدود تھے۔ انہیں کبھی گھر بلانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور دوست دور طالب علم کے بعد بچھڑ گئے تھے۔ کبھی کبھار مہینوں بعد فون پر بات ہو جاتی تھی۔ ایسے میں ان کا یوں اچانک اور وہ بھی ایک ساتھ مل کر گھر پر دھاوا بولنے کا پلان۔ یقیناً "حدید کی کوششوں سے ممکن ہوا تھا۔
حالانکہ وہ خود ان کے ساتھ نہیں تھا۔ مگر انس کو پتا تھا۔ وہ ان ہی میں کہیں شامل ہے۔ خوشی سے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔
وہ گھر میں بالکل اکیلا تھا۔ پھر بھی ان پانچ نفوس کے لیے اسے اپنا گھر ایک دم تنگ لگنے لگا تھا۔ وہ خود ہی بے تکلفی سے بڑھ کر سامنے نظر آتے کمرے میں گھس گئے اور جس کو جہاں جگہ ملی قابض ہو گیا۔ انس کے دانت مستقل بنیادوں پر باہر نکل آئے تھے۔
"اب دانت اور آنکھیں دونوں اندر کر لو۔" اس کے کولیگ حامد نے خود آنکھیں گھما گھما کر گھر کا جائزہ لیتے ہوئے اسے مفت مشورے سے نوازا۔
"ہاں۔۔۔ کیونکہ ہمیں پتا ہے کہ تمہاری عقل داڑھ نکل چکی ہے۔"
"اور آنکھیں مونچھیں سے قطعی پاک ہیں۔" وہ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔
"اور اگر کہیں اور بھی ڈیفیکٹ یا فالٹ ہے تو ابھی ٹھیک کرا لو۔ بعد میں شکایت مت کرنا کہ بھابھی خوش نہیں ہیں۔" قہقہوں کی پرشور آواز میں انس کی جھینپی شکل دیکھ کر اور اضافہ ہوا۔

"حدید کو مت بتانا کہ ہم آ چکے ہیں۔" عذیر اسے فون اٹھاتے دیکھ کر کہنے لگا۔
"ویسے تو ہم نے پہلے سے بتا دیا تھا۔ مگر ابھی آئے گا تو اسے بھی سرپرائز ملے گا۔ کیونکہ ہم نے آج کا نہیں کل کا پروگرام سیٹ کیا تھا۔"
"اچھا... تو پھر آج کیسے....؟" انس اٹھتے ہوئے یوں ہی پوچھنے لگا۔
"چلے جاتے ہیں' کل آجائیں گے۔" عذیر معصومیت سے بولا۔ وہ چائے بنانے کے ارادے سے کچن کی طرف آیا تھا۔ مگر کمرے سے صارم نے آواز لگائی۔
"بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" کلاس فیلو رہنے کی وجہ سے اس سے سب سے زیادہ بے تکلفی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔



مغرب کے بعد سوہا کو مایوں بٹھایا گیا۔ یہ ایک سادہ ترین رسم تھی۔ نہا دھو کر پیلے جوڑے میں ملبوس اداس سی سوہا کو سب نے باری باری ابٹن لگایا اور مٹھائی کھلائی۔ آج تو تائی امی بھی اپنے گھٹنوں کے درد کی پروانہ کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آئی تھیں۔ انہوں نے سو کا نوٹ وار کر ماہا کی مٹھی میں دبایا تو جانے کیوں امی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ شاید خوشی کے موقع پر بچھڑے ہوؤں کی یادیں ہی اداس کر دیتی ہے۔ انہیں بھی اپنے جیون ساتھی کی بے طرح یاد آئی۔ جو سالوں پہلے دو بچوں کے ساتھ انہیں بھری دنیا میں تن تنہا چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے صحن میں آکے چپ چاپ اپنی آنکھیں صاف کیں اور واپس اندر آئیں تو منظر ہی بدلا ہوا تھا۔
سوہا' ماہا سے لپٹی دھواں دار رونے میں مصروف تھی۔ انہوں نے ڈپٹ کر دونوں کو الگ کیا۔ خوشی کے موقع پر یوں رو دھو کر بدشگونی پھیلانا کہاں کی عقل مندی ہے۔
جس گھر میں سارا بچپن' لڑکپن اور جوانی گزری تھی۔ جس گھر میں آنکھیں کھولنے سے لے کر اس بندھن میں بندھنے تک جیون کا ہر دکھ سکھ دیکھا تھا۔ اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے کا تصور ہی بہت مشکل تھا۔ مگر یہ بھی زمانے کی ایک انوکھی ریت ہے۔
نئی زندگی' نیا سفر اور نیا ہم سفر تو ساتھ ساتھ 'گھر' ماحول اور جگہ بھی نئی۔ اس کے دل کو بھی الٹے سیدھے خیالات اور وہم ستاتے رہے تھے۔ جس کا نتیجہ ان آنسوؤں کی صورت میں نکلا تھا۔ کل دوپہر میں اسے مہندی لگوانے پارلر جانا تھا۔ امی کی ہدایت کے پیش نظر رات کو دیر تک جاگنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ لوگ جلد ہی سونے لیٹ گئی تھیں۔ ماہا دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ "فوراً" ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ سوہا سے نندیا دیوی روٹھی ہوئی تھی اور اس کا اسے منانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔



عشاء سے ذرا دیر بعد کا وقت تھا۔ گلیوں میں رونق آباد تھی۔ اس کی بائیک نے جوں ہی گلی کا موڑ کاٹا' اپنے گھر سے اٹھتی تیز موسیقی کی آواز سماعتوں کو چھونے لگی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔
اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بنائے گئے پلان کا ستیاناس کر کے وہ سب کے سب انس کے ساتھ اسے بھی سرپرائز دینے کے چکر میں ایک دن پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔
جس وقت اس نے گھر میں قدم رکھا پورے گھر میں "پریٹی وومن" کی دھوم تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی محو رقص دوست نے چھلانگ لگا کر اس کی ٹھوڑی چھوئی اور اسے حیران پریشان کھڑا چھوڑ کر ٹھمکے شروع۔

وہ تو پل میں خوش ہے پل میں خفا
بدلے وہ رنگ ہر گھڑی
پر جو بھی دیکھوں روپ اس کا
لگتی ہے پیاری بڑی

حدید بے سوچے سمجھے اس کا ساتھ دینے لگا۔

پریٹی وو من دیکھو دیکھو نا
پریٹی وو من دیکھتے ہو نا
پریٹی وو من تم بھی کہو نا

صارم ڈانس کرنے میں کمال مہارت رکھتا تھا۔

خدا خدا کر کے گانا ختم ہوا تو وہ دونوں بری طرح ہانپ کر ایک طرف ڈھیر ہو چکے تھے۔ انس ان کے لیے چائے اور بچے کچے اسنیکس لے آیا۔

"کب آئے تم لوگ۔" اسے اب پوچھنے کا خیال آیا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی۔"

"کل کا پروگرام بنا کر آج ہی۔" اس نے ہنس کر ایک چپس اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"اچھا لگ رہا ہے' گھر سونا ہو رہا تھا' رونق ہو گئی۔" اس نے بہت جلد اپنے احساسات کو زبان دے دی۔ حقیقت تھی بھی یہی۔ کمپیوٹر پہ لگا ٹریک چینج ہو کر سوپر ہٹ نمبرز کی طرف مڑ گیا۔ پہلے "منی کی بدنامی" عروج پر آئی۔ پھر۔ شیلا کی جوانی' صارم کی رگ رگ میں لگتا تھا پارہ بھرا ہوا ہے۔

میوزک کے ساتھ ساتھ جس قدر مضحکہ خیز انداز میں لڑکیوں کی طرح' مٹکتا' شرماتا اور ٹھمکتا اور کبھی کبھی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا لیتا۔ ان سب کا ہنس ہنس کے برا حال ہو چکا تھا۔ خود انس کے پیٹ میں بل پڑ گئے تھے اور آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں۔

صارم نے شرٹ کا اوپری بٹن کھول کر گھونگھٹ نکال لیا۔ انس ڈیک بند کرنے اٹھا کہ پاس پڑوس میں لوگ ڈسٹرب ہوں گے' مگر صارم نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ ناچتے ناچتے تھک چکا تھا۔ اس لیے ایک سلو ٹریک پر ہیروئن کی طرح ایکٹ کرنے لگا۔

کیوں تم کو دیکھتے ہیں کیا دل میں سوچتے ہیں
طوفان جو اٹھ رہا ہے ہم اس کو روکتے ہیں

اس نے ایک جوش سے سینہ پھلا کر انس کو چھیڑا۔ وہ بے طرح جھینپ چکا تھا۔ اوپر سے ان لوگوں کے بے ہودہ کمنٹس' اخلاقیات کی حدود پھلانگتے مذاق' یوں لگ رہا تھا وہ سب ہی روٹین لائف سے شدید بے زار ہو کر انجوائے منٹ کے لیے یہاں آئے ہیں۔ انس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ڈیک بند کیا۔

"بات سنو' آوازیں باہر جاتی ہیں' سب ڈسٹرب ہوں گے' آہستہ ہنسو۔" اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔ حدید پھر چائے بنانے اٹھ چکا تھا۔

وہ سب انس سے اس رشتے کی تفصیلات اور ہونے والی بھابھی اور ان کی فیملی کا حدود اربع پوچھتے رہے۔ انس مسکراتے ہوئے تفصیلات سے آگاہ کرتا رہا۔

کالج کے دور کی یادیں تازہ کی گئیں۔ پھر باتوں کا رخ جاب' انٹرویو کے ٹائم اور نوکری کے پہلے دن کی طرف مڑ گیا۔ باتوں اور یادوں کے اس نہ ختم ہونے والے سلسلے کو لوڈشیڈنگ نے ختم کیا۔ وہ سب جس طرح اکٹھے آئے

تھے ویسے ہی اکٹھے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"یاروں حسیب نہیں تھا کالج میں۔ وہ بھی آنے کا کہہ رہا تھا۔ کل آئے گا دن میں۔ آج کل پاکستان میں ہے نا۔" صارم کو بالکل گھر سے نکلتے وقت یاد آیا تھا۔
"تو آج کیوں نہیں آیا۔"
"مصروف ہے' دبئی میں اس کا بزنس ہے نا' شاید پرسوں چلا جائے گا۔"



اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب انس کی بادامی آنکھوں میں چھپے جذبے لو دینے لگے۔ بالکل اچانک ہی اسے ان کا انداز بدلا بدلا سا لگنے لگا تھا۔ خاندان ہی کی ایک تقریب میں بے تحاشا بھوک' برداشت کرتے کرتے اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ منگنی الگ شروع ہو گئی تھی اور کھانے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
"چلو میرے ساتھ گھر کے اندر' میں دیکھتی ہوں۔" ماما اس کی حالت پر گھبرا کر کہتی اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئی۔ جس کے ساتھ ہی شامیانہ لگا کر مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔
"یہاں بیٹھو میں کسی سے کہہ کر کھانا منگواتی ہوں۔" وہ اسے ایک کرسی پر بٹھا کر اندر غائب ہو گئی۔
گھر کے اندر باہر آنے جانے والوں کی گہما گہمی تھی۔ مگر اس کی طرف دھیان دینے کا ٹائم کسی کے پاس نہیں تھا۔ آتے وقت وہ جتنی اہتمام سے تیار ہوئی تھی' اب یہی تیاری اسے زہر لگ رہی تھی۔ کپڑے' میک اپ اور جیولری سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس نے بری طرح دکھتے ہوئے سر کو تھاما۔ قریب تھا کہ وہ بے بسی سے رو ہی پڑتی مگر سامنے سے گزرتے انس نے اسے دیکھ لیا۔
"کیا ہوا سوہا! ایسے کیوں بیٹھی ہو یہاں۔" وہ تشویش سے کہتا نزدیک چلا آیا۔
"بھوک سے سر میں درد ہو گیا ہے بس اور کچھ نہیں۔" اس نے زبردستی مسکرا کر تشفی کرانی چاہی۔
"میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔"
"نہیں حدید بھائی پلیز آپ رہنے دیں۔ ماما گئی ہے نا' کچھ لے کر ہی آئے گی۔" وہ اس کے لیے غیر نہیں تھا۔ مگر اتنی بے تکلفی بھی نہ تھی کہ وہ یوں بے دھڑک اس سے کام کرواتی۔ مگر دوسری جانب تو جیسے سنہری موقع ہاتھ آیا تھا۔
"نہیں' میں بس یوں گیا اور یوں آیا۔ ویسے بھی جینٹس کی سائیڈ پر کھانا کھل گیا ہے۔ ماما بے چاری کہاں سے لائیں گی۔"
"یہ لیجیے۔" چند منٹوں میں وہ بریانی کی پلیٹ تھامے واپس آیا تھا۔ گرما گرم بھاپ اڑاتی خوشبودار بریانی دیکھ کر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ پٹ تین' چار' چمچے بھر بھر کے منہ میں ڈالے اور تیزی سے نگلے۔ اسے اس قدر پھرتی کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر انس سے رہا نہیں گیا۔
"آرام سے کھاؤ۔ نہیں تو پھندا لگ جائے گا۔" وہ شرمندہ ہوئی' مگر ہاتھ نہ رکا۔ انس وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سوہا جز بز ہوئی۔ ماما کہاں رہ گئی تھی خدا جانے۔
"میں کھا کے پلیٹ رکھ دوں گی۔" واضح اشارہ تھا کہ یہاں سے پھوٹ لیجیے۔
"میٹھا بھی تو چاہیے ہو گا۔" وہاں بھی کمال درجے کی ڈھٹائی تھی۔
"نہیں' میں خود لے لوں گی حدید بھائی۔ آپ بھی تو کھائیں کھانا۔" منہ پھوڑ کے اسے خود ہی کہنا پڑا۔ وہ مسلسل میٹھی میٹھی نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ ماہا آرہی ہے' کچھ چاہیے ہو تو بتا دینا اور سنو۔"
"جی۔" اس نے بھرے منہ سے اس کا منہ دیکھا اور بمشکل جی بولا۔
"میں حدید نہیں' انس ہوں۔" اس کی شکل دیکھ کر اس کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے نا سمجھی سے یوں کندھے اچکائے جیسے انس ہو یا حدید مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔



اس دن تو نہیں' مگر ہاں بعد میں آنے والے دنوں میں سوہا کو واقعی کافی فرق پڑا۔ انس نے ان کی تائی امی اور اپنی خالہ جان کے ہاتھ سوہا کے لیے پیغام بھیجا تھا۔ خبر' ماہا' امی اور خود اس کے لیے خوشی کا باعث ہی تھی۔ ظاہر ہے' تعلیم یافتہ' برسر روزگار اور شریف النفس' انس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کسی لڑکے کا رشتہ طے کرتے وقت دیکھی جاتی ہیں۔ خوش شکلی اور جاذب نظر شخصیت اس کے علاوہ تھیں۔ خاندان ایک ہی تھا۔ یوں ملنا ملانا ہوتا رہتا تھا۔ لیکن اس سارے قصے میں افسوس کی بات یہ تھی کہ انس نے اپنی خالہ جان کی امیدوں پر بری طرح پانی پھیرا تھا۔

وہ باتوں باتوں میں' بہت اچھی طرح امی کو یہ بات جتا گئی تھیں کہ پہلا حق ان کا اور ان کی بیٹیوں کا تھا۔ خاندان کے دوسرے ملنے جلنے والوں کی زبانی یہ تک سننے میں آیا کہ انہوں نے بیان دیا تھا کہ "اگر میرے بہن اور بہنوئی آج زندہ ہوتے تو کبھی یہ رشتہ نہ ہونے دیتی۔" امی کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوا۔

"کیا ماہا اور سوہا کو وہ اپنی بیٹیاں نہیں سمجھتیں۔" سوال سیدھا سادا تھا' مگر جواب سرے سے ندارد۔

"اگر ان کے سربراب' بھائی سلامت نہیں تو یہاں کس کا آسرا ہے ہمیں۔" اولاد نرینہ سے تو وہ اور ان کی جٹھانی فیضیاب نہ ہو سکی تھیں۔ مگر ان کے سر پر باپ کا سایہ تو تھا۔ ہر چند کہ سالوں پہلے فالج کے اٹیک کے باعث تایا ابو بستر کے ہو کے رہ گئے تھے۔ مگر ان کا وجود نہ ہونے سے تو بہتر ہی تھا۔

ماہا اور سوہا کے ابو تو ان کے بہت بچپن میں ہی انتقال کر چکے تھے۔ اس کے بعد امی کی ساری زندگی دونوں بچیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی مشقت جھیلتے گزری تھی۔

انس جیسے کا لڑکے رشتہ آج کل کے زمانے میں خاص طور پر اس کی اپنی اتنی قریبی کزنز کے ہونے کے باوجود' کسی نعمت سے کم نہ تھا۔

لیکن خوشیو کے ان رنگوں کو بھنگ زدہ کرنے کی تائی امی نے اپنی سی کوشش ضرور کی تھی۔

"چٹی رنگت اور چھریرے بدن چاہئیں۔ آج کل تو سب کو۔ بعد میں چاہے کھا کھا کر بھینس بن جائیں۔ پہچانی نہ جائیں۔ مگر ان موئے لڑکوں کو کون سمجھائے کہ اصل سلیقہ تو گھر داری اور گھر ہستی سنبھالنے میں ہے۔" وہ محلے کی کسی تو بیا ہتا پر اپنے کمنٹس پاس کر رہی تھیں۔ مگر امی اور سوہا جانتی تھیں یہ اظہار خیال ان ہی کے سامنے کیوں کیا جا رہا ہے۔

انس اور حدید دو ہی بھائی تھے۔ سر پر سے اپنے ماں باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد' خالہ جان کو ہی بزرگ کہتے اور مانتے تھے۔ جب ہی شادی کا خیال آتے ہی انس نے سیدھے سادے طریقے سے جا کر ان ہی کو اپنی پسند سے آگاہ کیا تھا۔ اور بظاہر تو وہ بھی راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر ہتھیلی پہ سرسوں جمانے چلی آئی تھیں۔

"آج کل تو جتنی جلدی بیاہ دو اچھا ہے۔ لڑکیاں کیا لڑکے۔ کسی کا کچھ پتا نہیں۔ اے آنکھ مٹکا ہوتے دیر تھوڑا ہی لگتی ہے۔"

وہ اپنے نادر خیالات کا اظہار کر کے' امی کو شرمندہ کرتی رہیں۔

"اللہ کا شکر ہے بھابھی جان۔ میری لڑکیاں ایسی نہیں۔ مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے۔" نہ نہ کرتے بھی امی کے انداز میں ناگواری سی جھلک آئی تھی۔

"ہاں ہاں میں کوئی ان کو تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ میری تو چاروں لڑکیاں بہت سعادت مند ہیں۔" انہوں نے فوراً" پینترا بدل لیا۔

اسی وقت ماہا سیل فون ہاتھ میں لے کر کمرے سے نکلی۔

"یہ ایک اور نئی مشین ایجاد ہو گئی ہے۔ نری جان کا عذاب۔ نہ جاگتے سکون نہ سوتے چین۔" ماہا نے ایک دم ٹھٹک کر انہیں دیکھا پھر مسکرا دی۔

"تائی امی۔ یہ جان کا عذاب ان کے لیے ہے۔ جنہوں نے اسے جان کا عذاب بنایا ہے۔ ہر چیز کا یہی حساب ہے۔ کچھ سیکھنے کے لیے یا اپنے فائدے کے لیے استعمال کرو تو سود مند ورنہ ہر چیز ہی جان کا عذاب۔ کیا ٹی وی۔ کیا کمپیوٹر۔ موبائل انٹرنیٹ۔" وہ محبت سے بولتی ان کے برابر آن بیٹھی۔

"اب آپ خود دیکھیں نہ مجھے کیلنڈر کی ضرورت ہے نہ گھڑی کی۔ اور تو اور بوقت ضرورت میں اسکول میں کیلکولیٹر کے کام بھی اسی سے کر لیتی ہوں۔" اس میں صبح اٹھنے کے لیے الارم بھی ہے اور پانچوں وقت نماز کی ادائیگی کی یاددہانی کے لیے بھی۔

"یہ سب اس میں ہے۔ اتنی سی ڈبیا میں۔"

"جی اس میں سب کچھ ہے۔ ریڈیو بھی اسی میں ہے۔ خبریں بھی اسی پر سن لیتی ہوں۔ اور صرف پاکستان کا نہیں یہ دنیا کے زیادہ تر ملکوں کے ٹائم ایک سیکنڈ میں بتا سکتا ہے۔" تائی امی کا منہ کھل گیا۔ امی بھی مسکرانے لگیں۔

"لیکن جو لوگ اس سے غلط فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فضول کے میسجز اور الٹی سیدھی کالیں کر کے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ جو لڑکیاں فون پر دوستیاں کرتی پھرتی ہیں۔ ان کے لیے ہے یہ جان کا عذاب' اور یہ عذاب ان کا اپنا خریدا ہوا ہے۔"

"ہاں ہاں۔ میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی۔" تائی امی گڑبڑا گئیں۔

"امی نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔" وہ اطمینان سے کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

اس کے خیال میں تائی امی کے لیے اتنی ڈوز کافی تھی۔



رشتہ طے ہونے کے بعد دن پر دن گزرتے چلے گئے۔

انس اور حدید بہت پابندی سے تو پہلے بھی نہیں آتے تھے۔ اب اس معمول میں اس طرح فرق آیا کہ حدید کی آمدورفت بڑھ گئی اور انس نے آنا جانا بہت کم کر دیا۔

وہ خود بھی اپنی خالہ جان کی نقطہ چینی اور باتیں ملانے والی عادات و خصلت سے واقف تھا۔ اس کی اپنی خالہ زاد بہنیں ہی کم نہ تھیں۔ خصوصاً" نائلہ۔ اور صورت حال کچھ ایسی تھی خالہ جان کو امید تھی کہ وہ نائلہ کے لیے سوال کردے گا۔ لیکن اس نے دونوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھا۔

سوہا اور اس کے درمیان فون پر رابطہ بھی کم رہا۔ کچھ سوہا کی شرمیلی طبیعت اور کچھ اس کی احتیاط پسند فطرت۔ بہرحال منگنی سے شادی تک کا عرصہ بہت رنگین نہ سہی مگر بہت بور بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی کوئی شوخ سا فقرہ یا محبت بھرا پیغام سیل پر موصول ہو جاتا۔ وہ بھی اس یقین دہانی کے بعد کہ ماہا اور سوہا کا مشترکہ موبائل اس وقت صرف سوہا کے تصرف میں ہے۔ آنکھیں جگمگاتی رہتیں۔ لب گنگناتے رہتے۔

"کیسی ہے یہ رت کہ جس میں پھول بن کر دل کھلے۔"



"الصلوۃ خیرامن النوم (نماز نیند سے بہتر ہے)۔"
اب کائنات کا بلاوا غفلت کی نیند میں غرق مسلمانوں کو اپنی سمت بلا رہا تھا۔
پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔
ایک پل کے لیے بھی پلک جھپکی 'نہ دھیان کسی اور ہی سمت مرتکز ہوا۔
"ماہا اٹھو۔ نماز پڑھو۔" وہ برابر میں سوئی ماہا کو اٹھا کر خود وضو کرنے چل دی۔ باہر صحن میں نکل کر اس نے دو تین گہرے سانس لیے۔ پوری رات کی جگار کے بعد بھی وہ یونہی تازہ دم تھی۔ جیسے بڑی گہری اور طویل نیند لے کر اٹھی ہو۔
تھکن اور سستی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر تازگی کا انوکھا احساس جگا رہے تھے۔
پورے ارتکاز اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے بعد' وہ نادیر رب کے حضور اپنی آئندہ آنے والی زندگی میں' خوشی' رحمت اور اطمینان کے لیے دعا گو رہی۔ نماز پڑھ کر کمرے میں آکے اس نے ماہا کو ایک بار پھر ہلایا۔ اور بدقت تمام جگا کر کمرے سے باہر دھکیلا۔ اور تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا۔ اور کئی بار کی پڑھی ہوئی غزل ایک بار پھر پڑھنے لگی۔

دل کی طاق پر دیا جلانے آؤں گا
میں تم کو کچھ یاد دلانے آؤں گا
جیتنے دوں گا اس کو ہر بازی اور پھر
اپنی ہار کا جشن منانے آؤں گا
آرزو بہت تھی جن گلیوں میں بسنے کی
وہیں پر اک دن خاک اڑانے آؤں گا
بجھ جائے گی میری یہ سانسیں پھر بھی
روز تمہارے ناز اٹھانے آؤں گا

آخری شعر زیر لب دہراتے ہوئے اس کے دھیان میں زبردست خلل پڑا۔ باہر سے ماہا کے چیخنے کی آواز آئی تھی۔ وہ موبائل پھینک کر بھاگی۔ ماہا باتھ روم کی سیڑھیوں کے پاس بیٹھی ہائے وائے کر رہی تھی۔ اس کا پیر پھسل گیا تھا۔ اور اب زبردست ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔



بارہ بجے اسے سوہا کو پارلر لے کر جانا تھا۔ مگر اسے فون پر معذرت کرنی پڑی۔ پیر میں درد اور شدید سوجن تھی۔
"شام تک کچھ کم ہو جائے تو چلی چلنا۔"
"شکر ہے موچ نہیں آئی۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ پانچ بجے تک بھی آجائیں تو۔" وہ بغور اپنے پیر کا معائنہ کر رہی تھی۔
"اور کرو سینکائی۔" سوہا کو بھی اسے دیکھ کر فکر ہو رہی تھی۔ عفت کچن میں امی کے ساتھ ناشتا بنوا رہی تھی۔ سوہا کو مایوں کی دلہن کے ناتے منع کر دیا تھا۔

"ساری زندگی کام ہی کرنا ہوتا ہے ہر لڑکیوں نے۔ بس یہی چند دن آرام کے ہوتے ہیں۔" اس کی آواز میں خلوص تھا۔

یوں بھی وہ نائلہ کی طرح بغض و کینہ پرور نہیں تھی۔ ایک فطری جلن جو نائلہ سگی بہن کے بجائے سوہا کے نصیب کھل جانے پر اس کے دل میں تھی۔ اس نے اسے بڑی کمال مہارت سے چھپا لیا تھا۔ اس کے چہرے' باتوں اور انداز سے اتنا پتا نہیں چلتا تھا۔ جیسے نائلہ۔

اس کا معاملہ تھا بھی الگ۔ ایک تو وہ انس کو عرصہ دراز سے پسند کرتی تھی۔ دوسرے وہ کچھ تھی بھی ایسی منہ پھٹ طبیعت کی۔ سب کے سامنے کھلی کتاب۔

اس کے برعکس عفت کی طبیعت میں خلوص بھی تھا اور نرمی تھی۔ اور کچھ مقابلہ کرنے کی موہوم سی خودغرض جھلک بھی۔

"ویسے عین شادی سے پہلے یہ بدشگونی ہونی نہیں چاہیے تھی۔" ماہا مصنوعی فکرمندی سے بول رہی تھی۔ مقصد سوہا کو پریشان کرنا تھا۔

"ہاں واقعی۔ آج اگر تم اندھوں کی طرح واش روم سے نہ نکلتیں۔ تو یہ بدشگونی آج کے بجائے بھی آئندہ پر ٹل جاتی۔" سوہانے بھی جواباً سنجیدگی دکھائی تھی۔



آج کاؤنٹر کے آگے لگی قطار کچھ خاص لمبی نہیں تھی۔ چند ایک عورتیں تھیں جنہیں شبیر حسین تقریباً نپٹا چکا تھا۔ اسے دیکھ کر جلدی جلدی کام سمیٹ کر اٹھا۔

"چلو پہلے تمہارے ابا کو دکھا دیں۔ پھر میڈیکل اسٹور سے دوا لانی پڑے گی۔ فارمیسی میں..." وہ باتیں کرتے ہوئے باہر لان میں نکلا اور نائلہ کے ساتھ ابا کی طرف آگیا۔

"سلام بڑے صاحب۔"

بڑے مودبانہ انداز میں پان کی پیک کی لمبی پچکاری ایک طرف نکال کر اس نے ابا کو سلام کیا۔ ابا جواباً دعائیں دینے لگے۔

سرکاری اسپتالوں میں آج کل جس بے حسی کا دور دورہ ہے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک بے غرض اور مخلص اللہ کا بندہ۔ ان کی بزرگی پر ترس کھا کر انہیں دھکم پیل سے بچا کر جتنے سکون سے ڈاکٹر سے نسخہ دلوا دیتا تھا۔ ایک بوڑھے وجود کے لیے یہ بہت کافی تھا۔ باقی رہا مرض تو وہ تو اب موت کے ساتھ ہی جانا تھا یہ بات طے تھی۔

یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ان کی بزرگی پر ترس کھا کر نہیں' بلکہ ان کی بیٹی کی جوانی پر نیت لگا کر اپنا پن دکھاتا ہے۔ ڈاکٹر نے متعدد بار کی جاری کی ہوئی ہدایات کا پلندا پھر سے ابا کو تھمایا۔ پرانے نسخے میں درج دوائیوں میں سے چند ایک کی کمی اور کچھ کا اضافہ اور بس۔

"یہاں کی فارمیسی میں اسٹاک ختم ہو گیا ہے میں میڈیکل اسٹور سے لا دیتا ہوں۔" اس نے نائلہ کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"تم اکیلے ہی چلے جاتے بیٹا۔ یہ کہاں دھوپ میں خوار ہوگی۔" ابا بیمار ضرور تھے۔ مگر ہوش و حواس تو قائم تھے ابھی۔

"میں تو جا ہی رہا ہوں چاچا جی۔ مگر ہر بار تو میں نہیں ہوں گا نا۔ اچھا ہے یہ بھی دو ایک بار دیکھ لیں تو آگے سے آسانی رہے۔" بات تو معقول تھی۔

چند لمحوں بعد ہی وہ بائیک پر اسے اپنے پیچھے بٹھا کر اڑا جا رہا تھا۔ نائلہ کے دل ہزار خدشوں اور وسوسوں کے باوجود بائیک کے ساتھ اڑان بھرنے لگا۔



"بس اللہ کا کرم ہے۔ اس حال میں بھی اسی نے رکھا۔ یہ حال بھی اس کا بخشا ہوا ہے۔" انس رشک بھری نظروں سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

کالج کے زمانے میں وہ ان کے گروپ کا سب سے پڑھاکو لڑکا ہوا کرتا تھا۔ والد ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور تھے۔ اس لیے ایک ایکسیڈنٹ میں ان کی حادثاتی موت کے بعد گھر کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری اس کے کندھوں پر آپڑی۔ اس کا تمام لڑکپن اور جوانی کا بڑا حصہ، تعلیم ادھوری چھوڑ کر حصول روزگار کی مشقت میں گزرا تھا۔ انس خود اور اس کے گروپ کے تمام لڑکے اس کے گھر کے بگڑے حالات سے واقف تھے مگر وہ خود اتنا خوددار تھا کہ ہمیشہ اپنے زور بازو پر بھروسہ کیا اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

چودہ سال کی لگاتار محنت شاقہ کے بعد آج جب وہ عمر کے چونتیس بہاریں دیکھ چکا تھا۔ تو اللہ کے فضل سے اس کی حیثیت انس اور اس کے دوسرے تمام ساتھیوں سے بہتر ہو گئی تھی۔

وہ انس سے بھی سالوں کے بعد ملا تھا۔ دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ گزرے شب و روز کی تلخیوں اور سختیوں کا احوال سناتے۔ کبھی وہ ایک دم مسکرا رہا اور کبھی آنکھوں میں نمی چھلکنے لگی تھی۔

"تم ایک دن رک نہیں سکتے حسیب۔ میری شادی میں شرکت کر کے چلے جانا۔" انس اس سے بہت محبت سے کہہ رہا تھا۔



بیوٹیشن بڑی مہارت سے سوہا کے پیروں پر گل بوٹے بنا رہی تھی۔ ماہا کو مارکیٹ میں کام تھا وہ سوہا کو بتا کر باہر نکلی۔

اسے میچنگ بریسلٹ چاہیے تھا مگر وہاں آس پاس کوئی جیولری شاپ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اوپر سے پیر کی تکلیف۔ کسی بھی طرح کر کے وہ سوہا کو جیسے تیسے پارلر تک لے آئی تھی۔ مگر اب یہ بریسلٹ خریدنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا سو اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ اور واپسی کا قصد کا ہی تھا کہ ایک دکان سے حدید کو نکلتے دیکھ کر رک گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ سیدھا اس طرف آیا۔

"تم یہاں۔ وہ بھی اکیلی؟"

"اکیلی نہیں ہوں۔ سوہا کو لے کر پارلر آئی تھی۔ مہندی لگوانے۔"

"پیر میں کیا ہوا؟"

"آج سیڑھیوں سے پیر پھسل گیا تھا۔" وہ کچھ خجل سی ہو گئی تھی۔

"تمہیں سب سے زیادہ خوشی ہے۔" وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"موقع تو خوشی کا ہے ہی آپ کو خوشی نہیں ہے کیا۔ آپ تو دولہا میاں کے جڑواں بھائی ہیں۔"

"اچھا تو ایک چھوٹا موٹا ایکسیڈنٹ تو مجھے بھی کروا لینا چاہیے۔"

"اے ہے۔ اللہ نہ کرے فضول باتیں مت کریں۔" باتیں کرتے ہوئے دونوں دھیرے دھیرے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس کی مزے مزے کی باتوں میں ماہا کو بھی پیر کا درد بھولنے لگا۔ اس نے باتوں باتوں میں حدید کو بتایا کہ اسے کیا لینا تھا۔

"میں لادوں گا مجھے کلر بتا دینا۔ گھر چل رہی ہو میرے ساتھ۔"
حدید کو منع کرنا چاہتی تھی مگر حدید نے چلنے نہ دی۔
"امی کو پتا چلا تو۔"
"تو کیا۔ سوہا کو تھوڑا ہی لے کر جارہا ہوں۔ چلو اپنی بہن کا کمرہ تو دیکھ لو۔ اب تک تو سج چکا ہوگا۔" اس نے لالچ دے کر حتمی انداز میں قدم موڑ لیے۔
"چلیں میں سوہا کو بتا کر آتی ہوں۔" اس نے فوراً شوق سے کہا تھا۔



انس کا کمرہ تیار ہو چکا تھا۔ بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ مگر فوراً" ہی اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ اندر کوئی اجنبی بیڈ پر بے تکلفی سے دراز تھا۔
وہ جتنا شاکڈ ہ اسے دیکھ کر ہوئی۔ یقیناً" وہ خود بھی ہوا ہوگا جبھی تیزی سے اٹھا۔ مگر تب تک ماہا واپس پلٹ چکی تھی۔
"وہ اندر کوئی ہے۔" وہ باہر آکر جھجک کر حدید سے بولی۔
"کون۔۔۔ ہاں وہ حسیب ہوگا انس کا دوست۔ سوری مجھے خیال نہیں رہا۔" حدید اسے دو منٹ ٹھہرنے کا کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
"چلتا ہوں انس۔ دیکھو پھر کب ملاقات ہو۔" لاؤنج میں انس اور وہ کھڑے تھے۔
"رک جاتے تو اچھا تھا۔ شادی میں اور دوستوں سے بھی مل لیتے۔" انس ایک بار پھر اس سے کہنے لگا۔
"اچھا دیکھو۔ میں پھر کوشش کروں گا۔"
ماہا کو محسوس ہوا وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ بہت ان ایزی فیل کر رہی تھی۔ انس اور وہ باتیں کرتے باہر نکل گئے۔
ذرا دیر بعد جب وہ اور حدید گھر سے نکلنے لگے تو اس نے تائی امی اور نائلہ کو آتے دیکھا۔ نائلہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی یا شاید اس نے ایسا پوز کیا۔
"ہم سے تو چچی جان نے کہا تھا کہ تم اور سوہا پارلر گئی ہو مہندی لگوانے۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ ماہا جلدی سے وضاحت دینے لگی۔
"اور وہاں عفی پاگل، صبح سے سارے گھر کی صفائیاں کرتی مری جارہی ہے۔" وہ بات سن کر کمنٹس دیتی اندر چلی گئی۔
"بس اب موتیے کی لڑیاں رہ گئی ہیں۔ وہ کل رات میں لگاؤں گا۔ ورنہ مرجھا جائیں گی۔" حدید واپسی میں اس سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس کی غائب دماغی محسوس کرکے چپ ہو گیا۔



"پتا ہے میں آج امی کے ساتھ انس لوگوں کے گھر گئی تا تو وہاں تا حدید اور وہ ماہا اکیلے تھے گھر میں۔" نائلہ کی آواز کمرے کی خاموشی میں پراسراریت سے گونجی۔
"کیا کہہ رہی ہو تم۔" عفت کے کان کھڑے ہو گئے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔
"یقین نہ آئے تو پوچھ لینا امی سے۔" اس کے پاس بڑی معتبر گواہی تھی۔
"نہیں خیر یقین کیوں نہیں آئے گا مگر۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کیچو بالوں سے نکال کر تکیے کے

نیچے دبا دیا۔
"مگر کیا۔"
"کچھ نہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش نظروں سے اسے تکتی رہی۔
انہیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ سونے کی عادت تھی۔ دن بھر کے واقعات سونے کے ٹائم ہی دہرائے جاتے۔ تمام تبصرے اور تجزیے اس وقت کے لیے بطور خاص اٹھا کر سنبھالے جاتے تھے۔
رشک، حسد، جلن، خوشی تمام مواقع کی مناسبت سے ابھرنے والے جذبات کا اظہار عموماً" اسی وقت کیا جاتا تھا۔
"تجھے کیا لگتا ہے عفی۔ ساہا جھوٹ بول کر گئی ہو گی وہاں۔" ذرا دیر بعد نائلہ پھر بول اٹھی۔ گویا اس کے دھیان کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔
"جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اسے۔ اس کی بہن کا سسرال ہے وہ۔"
"اونہہ! سسرال کوئی ایسی ہوتی ہے۔ نہ ساس سسر، نہ کوئی نند، نہ جٹھانی، دیورانی، لے کر ایک دیور۔ وہ بھی ہو بہو بہنوئی جیسا۔"
"ہوں۔" کھٹک تو اس کے دل میں بھی ہو رہی تھی۔ مگر وہ نائلہ کے سامنے اظہار کر کے۔ اس کے شک کو ہوا دینا نہیں چاہتی تھی۔
"ہوں کیا۔ بتا نا۔ پتا ہے۔" اس نے کچھ یاد آنے پر جوش سے اس کی سمت کروٹ لی۔
"پتا ہے۔ حدید کے ساتھ ہی آئی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ سوہا پارلر میں مہندی لگوا رہی ہے۔"
"ہاں تو میں کیا کروں۔" اس نے جان بوجھ کر سرسری انداز اختیار کیا۔
"لے۔ تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ، حدید کو کیا پڑی ہے کہ اسے اپنی بائیک پر لیے لیے پھر رہا ہے۔"
"کل آئے گا نا بھائی کی برات لے کر تو پوچھ لینا۔" عفت نے تنگ آکر بات ختم کر دی۔
"اونہہ۔" نائلہ حسب عادت تنک گئی۔
"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔" اس نے گہری نگاہوں سے عفت کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو تولا۔
"میں تو کہتی ہوں۔ امی پر دباؤ ڈالو۔ اب حدید سے صاف صاف بات کریں۔"
"کیسی بات۔" عفت چونک پڑی۔
"تمہاری اور حدید کی شادی کی بات۔"
"پاگل ہو گئی ہو کیا۔" عفت بدک سی گئی۔
"امی خود سے کیسے کر سکتی ہیں۔"
"کیوں نہیں کر سکتیں۔ جب انس امی کی خواہش کا علم رکھنے کے باوجود، ان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے۔ تو امی ایسا کیوں نہیں کر سکتیں۔" عفت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر چہرہ موڑ لیا۔
"اگر حدید کو میرا ساتھ چاہیے ہو گا تو، وہ خود ہی کہہ دے گا۔ ورنہ یوں زندگی بھر کے لیے کسی کے سر پر مسلط ہونے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔" نائلہ نے دل ہی دل میں اس کی عقل پر ماتم کیا۔
"تو پھر بیٹھی رہ انتظار میں۔ اور وہ دونوں چڑیلیں نا....." باقی بات اس نے منہ میں بڑبڑا کر پوری کی۔
ابا کے کھانسنے کی آواز آنے لگی تھی۔ عفت نے ہنوز چہرہ موڑ رکھا تھا۔ نائلہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔
خاموشی اور سناٹے میں جھینگروں کے بولنے کی آوازیں تھیں۔ پانکھے کی سست گھرر گھرر۔ نائلوں کی سوچوں میں

شبو (بشیر حسین) کا سانولا چہرہ آن سمایا۔
وہ پلکیں موندے وہ وقت یاد کر رہی تھی جب اس نے میڈیکل اسٹور سے دوا لینے کے بہانے پورا گھنٹہ بھر ادھر ادھر گھمایا تھا۔ گولا گنڈا اور بریانی سے تواضع کی تھی۔ اور ابا کی طرف سے دیر کے استفسار پر فراٹے سے کہہ دیا تھا کہ نزدیک کے کسی میڈیکل اسٹور پر دوا نہیں مل رہی تھی۔ بہت دور سے لایا ہوں۔
ابا الٹا مشکور ہی ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اصل مسئلہ تو اب کھڑا ہوا تھا۔
وہ بڑی منت سماجت کے بعد امی سے سوہا کے ساتھ پارلر سے تیار ہونے کی اجازت حاصل کر پائی تھی۔ مگر اپنی دیرینہ پسندیدہ ہائی ہیل سینڈل پہن کر ایک قدم بھی نہ اٹھا سکی۔ سوجن تو کم ہو گئی تھی مگر درد ابھی باقی تھا۔
امی نے دوسری پرانی فلیٹ۔ گولڈن چپل نکال کر مسئلہ نمٹایا۔ اس کی صورت رونی سی ہو گئی سارا راستہ وہ اس چوٹ کو گالیاں دیتی رہی۔ میک اپ کروانے میں بھی منہ بنا رہا۔ مگر جب بیوٹیشن نے فائنل ٹچ دے کر چہرہ آئینے کی جانب کیا تو' چند لمحے تو وہ خود کو پہچان ہی نہ سکی۔
"ارے! یہ میں ہوں۔" ماہرانہ ہاتھوں نے اس کی موہنی صورت کو الگ ہی نکھار دیا تھا۔
کانوں میں جھولتے بڑے بڑے آویزے۔ لمبے گھنے آبشاریاں اور اس قدر سلیقے کے میک اپ' وہ خود تو ایک طرف' دلہن بنی سوہا بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔
"نظر اتروا لینا کسی سے۔ اتنی اچھی لگ رہی ہو۔ امی تو ضرور ہی اپنی اجازت پر پچھتائیں گی۔" دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہنسیں۔
مووی لائٹس کی چکا چوند روشنی نے جہاں سوہا کا نوخیز حسن دمکا دیا تھا۔ وہیں ماہا کو پہلی بار اس قدر سجا بنا دیکھ کر بہت سی ستائشی نظروں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔
"ماشاء اللہ۔ آج تو دونوں بہنیں آسمان سے اتری پریاں لگ رہی ہیں۔" خاندان کی ایک بزرگ خاتون امی سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
امی نے دل ہی دل میں کتنی بار دونوں کی نظر اتاری اور دائمی زندگی کی خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔ نکاح کے وقت' ایجاب و قبول کرتے ہوئے سوہا کی تو ہچکی بندھ گئی۔ زندگی بھر کے لیے اپنا آنگن چھوڑ کر کہیں اور جا بسنا۔ کوئی دل کو دونوں ہاتھوں میں لے کر دبائے دے رہا تھا۔ امی کا حال بھی مختلف نہ تھا۔ اور ماہا۔ اس کی تو سنگی سہیلی ہی صرف وہ تھی۔
"اتنا مہنگا میک اپ کیا' یوں آنسوؤں میں بہانے کے لیے کروایا ہے۔" حدید کے مذاق اڑانے پر اس نے بروقت تمام اپنے آپ کو سنبھال کر چہرہ صاف کیا۔ کاجل کی لکیریں چہرے پر پھیل رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی ٹشو پیپر رگڑا۔
میک اپ کی فکر تو اسے بہر الحال تھی۔ رسموں کی ادائیگی اور نیگ کی وصولی کے وقت عفت اور نائلہ اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔
وہ بڑھ چڑھ کر خاندان کے دوسرے کزنز اور انس کے دوستوں کے ساتھ نوک جھونک کرتی رہی۔ اور اسے علم نہ ہوا وہ مسلسل کسی کی گہری نگاہوں کا مرکز ہی رہی۔
اسٹیج کے دائیں طرف رکھے صوفوں میں سے ایک پر براجمان حسیب سوچ رہا تھا۔
"میں نے دبئی کا پروگرام پوسٹ پونڈ کر کے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔"



تازہ بیلے کی کلیوں اور ایئر فریشنر کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ نئے نئے لکڑی کے فرنیچر سے اٹھنے والی پالش، مہندی والے ہاتھوں اور وجود سے اٹھتی ابٹن کی باس۔

خوشبوؤں کا ایک دریا تھا۔ جس کی سبک لہروں میں اس کا انگ انگ مہکا ناو جود دھیرے دھیرے ہلکورے لے رہا تھا۔ نئے نکور پردوں، وال پینٹ اور دبیز پردوں کارپیٹ سے سجے ہوئے کمرے میں "نو بیاہتا" کا بھرپور تاثر موجود تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر خوشبوؤں سے بوجھل اور مخمور فضا کو اپنے اندر اتارا اور ذرا آرام دہ انداز میں کمر پیچھے نکالی۔

عفت اور نائلہ دولہا کی بہنوں کا رشتہ نبھانے اس کے ساتھ ہی گھر چلی آئی تھیں۔

انس کافی دیر سے دوستوں میں گھرا حدید' کی گھر واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جو کسی دوست کی گاڑی لے کر کسی کو ڈراپ کرنے چلا گیا تھا۔

"انس بھائی حدید کو فون کریں کافی وقت ہو گیا ہے۔"

دونوں کافی دیر اس کے پاس بیٹھیں۔ زیادہ وقت عفت تقریب کی باتیں کرتی رہی۔ اسی کو خیال آیا۔

"فون بند جا رہا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ آج کل حالات اچھے نہیں۔" انس کی آواز میں تفکر سا تھا۔ اس کے کمرے میں انس کی آواز سنائی دی۔ دھڑکنوں میں انتشار سا بھر گیا۔

تقریباً" سب ہی دوست واپسی کے لیے نکل گئے تھے۔ سوائے صارم کے۔ جس کی گاڑی حدید لے کر چلا گیا تھا۔

اس کا کمرہ اوپری منزل پر تھا۔

وہ دونوں انس سے باتیں کرتی نیچے جا رہی تھیں۔ انس کی آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ جس طرح وہ خود ابھی اس کے پاس آنے والا تھا۔ مگر پھر نیچے چلا گیا تھا۔ دھڑکتے دل میں اکتاہٹ سی ابھرنے لگی۔

ابھی جانے کتنی دیر اور ایسی طرح اسٹیچو بننا تھا۔ بھاری زیورات' ڈھیروں میک اپ اور بھاری کامدار جوڑے میں اسے تھکن کا ایک بے حد موہوم سا احساس تنگ کر رہا تھا۔ آنے والی تمام گھڑیوں کے خوش کن خیالات سے پرے۔

تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ انس نے سنبھل کر سر جھکا لیا۔ آنے والا اس کے خیالات کے برعکس انس نہیں عفت تھی۔ گھبرائی ہوئی شکل پر تذبذب کی پرچھائیاں۔ کسی انہونی کے خدشے نے اس کے دل میں چٹکی سی بھری۔

"وہ اسوہا!" عفت جھجک کر رک سی گئی۔ کہوں نہ کہوں کی اضطرابی کیفیت اس کے چہرے پر رقم تھی۔

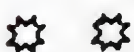
"حدید کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"کیا۔" اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

اس بار عفت کچھ کہہ نہیں سکی۔ آنکھوں میں ایکا ایک آنسو بھر آئے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"اس کی حالت نازک ہے۔ اور انس بھائی اسپتال چلے گئے ہیں۔" سوہا کو اپنی دھڑکنیں رکتی ہوئی سی لگیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



فرحین اظفر

دل سے وفا

سوہا اور مایا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید، انس، عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس، سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کردیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کرلیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

دوسری قسط



جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ ٹھنڈے برآمدے کے طول و عرض ناپتے۔ صارم پہنچ چکا تھا۔ انس اُسے دیکھ کر بے اختیار سا ہو گیا۔

"صبر کرو خدا سے دعا کرو۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔" صارم اسے کندھے سے لگائے تھپک رہا تھا۔ اس کے روم روم سے حدید کی سلامتی اور زندگی کے لیے دعا نکل رہی تھی۔ کسی نے وسوسوں کی انتہا پر جاکے بھی اس حادثے کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا۔

زندگی اپنی بانہوں میں انسان کے لیے کتنے رنگ سمیٹے کھڑی ہوتی ہے اور انسان اتنا بے بس ہے کہ وہ ہر موقع کی مناسبت سے ایک رنگ نکال کر اسے اوڑھا دیتی ہے اور انسان اسے اوڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے اس وقت وہ اپنی زندگی کے سب سے خوب صورت اور خوشیوں بھرے موقع پر حزن کا رنگ اوڑھے بیٹھا تھا۔

صارم بہت دیر تک افسوس سے اسے تکتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا نزدیک آگیا۔

"انس!" اس نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ دھر دیے۔ وہ یوں چونکا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔

"میری بات مانو! تم گھر چلے جاؤ۔" انس جو غائب دماغی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دم اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا کر رخ موڑ لیا۔

"میں نہیں جا سکتا۔"

"پاگل ہو گیا تم۔ بھول رہے ہو۔ گھر پر بھی کوئی تمہارا منتظر ہے۔" صارم کی بات پر کسی کی شبیہ نے اسے ایک لمحے کے لیے ماحول سے بے گانہ کر دیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے معاملے کی سنگینی نے اپنے پر پھیلا دیے۔

"میرا دل نہیں مانتا کہ کسی اور کو کچھ اور حالت میں..." اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"پلیز صارم... میں نہیں جانتا۔ اللہ نہ کرے۔ میرا دل پھٹنے لگتا ہے یہ سوچ کر کہ آج اگر میں چلا گیا اور پیچھے سے اسے کچھ ہو گیا تو..." اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا۔ کبھی خود سے نگاہیں نہیں ملا سکوں گا۔" صارم نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

"اسے کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔" انس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔

سر جھکا کے بیٹھے ہوئے گزرے۔

☆ ☆ ☆

چند لمحے یوں ہی عفت بے بسی سے سامنے کھڑی سوچ رہی تھی کہ اب کیسے کیا کہے۔

"پتا نہیں مجھے تم سے کہنا چاہیے یا نہیں، مگر میرا خیال ہے تم اب کپڑے بدل لو۔" سوہا الجھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"حدید کی حالت خراب ہے۔ میرا نہیں خیال کہ انس بھائی اب آئیں گے آج رات واپس... ایسے میں تم کب تک یوں بیٹھی رہو گی ان کے انتظار میں۔" اس نے رک رک کر بے ربط انداز میں بات مکمل کی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اسے بے حد رونا آرہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ سوہا کی زندگی کی سب سے قیمتی رات ایسے غارت ہوگی اور اس مشکل وقت میں وہ خود اس کا سامنا کرے گی۔

سوہا ایک گہری سانس لے کر شرارہ سمیٹتی ہوئی اٹھی۔ کانوں میں آویزے، ہاتھوں میں بھری چوڑیاں، پیروں میں بندھی پازیب، بکھرے پھول سب جیسے احتجاجاً بول اٹھے۔

"جس کے لیے زیب تن کیا تھا۔ اس نے تو ابھی دیکھا تک نہ تھا۔ ہمیں دیکھا جائے، ہمیں سراہا جائے، چھو

ہماری نرمی اور کوملتا کو محسوس کیا جائے۔ یہ ہمارا حق ہے۔"

دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہ واش روم میں بند ہو گئی۔ عفت گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ خوشبوئیں لٹاتی بیلے اور گلاب کی کلیاں اسے ڈسنے لگی تھیں۔

یہ کمرہ جہاں اس وقت انس اور سوہا کو ہونا چاہیے تھا۔ اس کی محبتیں، اس کی چاہتوں کی شدتیں، شرماہٹیں، سرگوشیاں، لیکن... اس وقت وہاں صرف صرف خاموشی اور اداسی کا راج تھا اور میں خود کیا کر رہی ہوں اس وقت یہاں۔ اسے اپنی موجودگی سے الجھن ہونے لگی، وحشت ہونے لگی۔ "حدید کا کیا حال ہے۔ مجھے فون کر کے پتا کرنا چاہیے۔" خیال آتے ہی وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

ایمرجنسی روم کے باہر جلتی سرخ لائٹ اس کا دل دہلا رہی تھی۔ جتنی بھی خیر و سلامتی کی دعائیں، آیتیں اور سورتیں اسے یاد تھیں۔ بے آواز لبوں سے نکل رہی تھیں۔

چار گھنٹے گزر جانے کے باوجود حدید کی حالت میں کہیں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ معاً دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر جھکے قدموں سے باہر نکلا۔ انس بے تابی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔

"یا اللہ... کوئی خیر کی خبر، کوئی سلامتی کی نوید، کوئی مژدہ جانفزا۔" چند قدم تیر کی سی تیزی سے اٹھاتے ہوئے بھی اس نے کتنی دعائیں مانگ ڈالیں۔

"کوئی ہڈی ٹوٹی نہیں ہے۔ صرف لیفٹ تھائی میں فریکچر ہے۔ مگر دماغ میں کوئی ایسی ضرب لگی ہے جو..." ڈاکٹر نے جملہ ادھورا چھوڑ کر انس کا چہرہ دیکھا۔

"اگلے اڑتالیس گھنٹے میں ان کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ وہ کومے میں چلے جائیں گے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں، آپ دعا کریں۔"

وہ ترحم آمیز انداز میں اس کا دولہاؤں والا لباس اور تیاری دیکھ کر کندھا تھپکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

انس نے نم آنکھوں کو بند کر کے آخری بار دیکھا۔ حدید کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہنستا، مسکراتا، شرارتی، بے فکرا، خوش باش چہرہ۔ وہ کتنا ہشاش بشاش تھا ابھی چند گھنٹے پہلے تک... دو آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔ اس نے ہارے ہوئے انداز میں بینچ پر بیٹھ کر ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں۔

"مجھ سے میرا آخری خونی رشتہ مت چھیننا میرے مالک... یا اللہ... میں اسے بنا جی نہیں پاؤں گا۔" دل کے بہت اندر کہیں کسی کونے میں کوئی ڈرا سہما بیٹھا چپکے چپکے رو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ واش روم سے نکلی تو کمرہ خالی تھا۔ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے اور دل بھی کمرے کی طرح خالی خالی لگ رہا تھا۔ کتنی دیر وہ یوں ہی بے مقصد بیڈ پر بیٹھی ناخنوں سے نیل پالش کھرچتی رہی۔ گلے اور کانوں کا زیور بہت چبھنے لگا تھا تو اتار کے رکھ دیا۔

مہندی کے دلفریب ڈیزائن سے سجے انگوٹھیوں اور چوڑیوں بھرے ہاتھوں کو وہ خود ہی دیکھتی، دل ہی دل میں انہیں سراہتی رہی تھی۔ پھر دل بھر گیا تو ایک ایک کر کے وہ بھی ڈریسنگ ٹیبل کی زینت بن گئیں۔ کلائیاں سونی ہو گئیں۔ بنا کسی کی محبت پاش نظریں محسوس کیے اور کسی کی نرم گرم گرفت میں پگھلے بغیر ہی۔

کاٹن کے آرام دہ سوٹ میں بھی سخت بے آرامی سی تھی۔ گہنوں سے الگ ہو کے بھی اس کے وجود سے دلہناپا اترا نہیں تھا۔ اسے رہ رہ کر حدید کا خیال بھی آرہا تھا اور انس کی غیر حاضری بھی حصار باندھ رہی تھی۔

بال بھی نکال کر چوٹی کے بل کھولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ گھر میں عفت اور نائلہ کی موجودگی کے باوجود عجیب سی تنہائی اور وحشت ناک سناٹا سا ہے۔ اس نے اٹھ کر دوپٹا شانوں پر ڈالا اور باہر نکلی۔ کمرہ اوپری منزل پر تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔

"عفت۔ نائلہ۔" سامنے ہی وہ دونوں موجود تھیں۔ نائلہ جائے نماز پر بیٹھی تھی۔ عفت کے ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں موبائل تھا۔ "اب کیسی طبیعت ہے حدید کی۔"

"طبیعت کیسی ہونی ہے۔ بس اللہ اپنا کرم کرے۔ جانے کس کی نحوست کی نظر ہو گیا ہے۔" نائلہ بڑبڑا کر نیت باندھنے لگی۔ عفت نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم نیچے کیوں آگئیں۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ میں نے گھر پر کہلوا دیا تھا کہ ہم دونوں آج یہیں رک جائیں گی۔" اس نے پلٹ کر ایک نظر نائلہ کو دیکھا۔

"حدید کی حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں ہے۔ گھر پر کسی کو کچھ پتا نہیں ہے۔ انس بھائی نے منع کیا تھا بتانے سے۔ صبح انہیں بھی بتا دیں گے۔" سوہا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا کہے۔

"تمہیں بھوک تو نہیں لگ رہی۔" "نہیں۔" یک لفظی جواب دے کر وہ مڑنے لگی۔ پھر۔ کچھ خیال آنے پر رک گئی۔

"وہ۔ انس سے بات ہوئی ہے تمہاری۔" وہ پوچھتے ہوئے جھجک سی گئی۔ چند گھنٹے پہلے کی نو بیاہتا دلہن۔

——— کیسے پوچھے۔ کیا آج شادی کی پہلی رات وہ اپنے دولہا کے بغیر سو جائے۔ اپنے محرم کا انتظار کیے بغیر۔ یا پھر وفا شعار بیوی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے جاگ کر انتظار کرے۔

"وہ کسی سے بات نہیں کر رہے' مجھے ان کے دوست نے بتایا تھا حدید کے بارے میں بھی اور یہ بھی کہ انس بھائی گھر آنے کے لیے تیار نہیں۔" عفت اپنی جگہ یہ کہتے ہوئے شرمندہ سی تھی۔

"تم چلو کمرے میں جا کے آرام کرو۔ صبح تک ان شاء اللہ آجائیں گے۔" اس نے اپنی بات کا تاثر ختم کرنے کے لیے جانے کس کو تسلی دی تھی۔ سوہا کو یا خود کو۔

وہ اپنے خالی پن کو سنبھال کر ایک ایک سیڑھی گنتی ہوئی واپس اسی سجے سجائے کمرے میں آگئی۔ کمرے کی سجاوٹ بھی وہی تھی اور مہک بھی۔ ہاں مگر وہاں کی بولتی معنی خیز خاموشی اور ریشمی سرسراہٹیں اب سو چکی تھیں۔ ہاتھ پیروں کی نیل پالش اتار کر اس نے بھی وضو کر کے وہیں نیت باندھ لی۔ دعا کے لیے پھیلے ہاتھوں پر کتنے ہی آنسو قطار در قطار گر کر اس کے ہاتھوں اور چہرے کو گیلا کرتے رہے۔ وہ رو رہی تھی اور دعا کر رہی تھی۔ حدید کی زندگی کے لیے اور شاید اس ہی سے جڑی اپنی آئندہ زندگی کی خوشیوں کے لیے۔

☼ ☼ ☼

فجر کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ نہ حدید کی حالت میں کوئی تبدیلی آئی تھی۔ نہ انس کے انداز نشست میں۔ صارم نے ایک' دو بار اسے گھر جانے کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی۔ مگر۔ اس کی حالت دیکھ کر چپ ہو گیا۔ لمحہ لمحہ جیسے موت و زیست کی کسوٹی کھیل کر گزر رہا تھا۔ شدید اعصابی جنگ نے خود صارم کی حالت بھی شکستہ کر ڈالی تھی۔ ابھی تو سوہا کے گھر والوں اور خالہ جان کو بتانے کا مرحلہ باقی تھا۔ کیا قیامت گزرے گی ان پر جب حدید کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلے گا اور کیا سوچیں گے سب لوگ یہ سن کر کہ انس پوری رات گھر واپس نہیں پلٹا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب ڈاکٹر نے حدید کے ہوش میں آنے کی خوش خبری سنائی۔ بے ساختہ کلمہ شکر دونوں کے منہ سے نکلا۔ ڈاکٹر نے انس کو اس سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔

صارم نے گھر فون کر کے اطلاع دی۔ پھر خود بھی حدید کے پاس چلا آیا ہوش میں آجانے کے باوجود حدید کی

حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کوئی بات کر پاتا۔ پھر بھی غنیمت تھا کہ کم از کم خطرے سے باہر تو تھا۔

انس اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں دبا کر دیر تک بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ صارم نے بڑھ کر اس کے شانے پر دباؤ ڈالا۔ اس نے سر اٹھایا تو صارم نے دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"وہ اب پہلے سے بہتر ہے انس! پلیز ریلیکس۔ وہ خطرے سے باہر ہے۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایوری تھنگ ول بی او کے۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

"اٹھو اب یہاں سے شاباش۔" بہت نرمی سے اسے اٹھا کر وہ باہر لایا۔

"اب تو گھر چلے جاؤ تم۔ پلیز یار۔" صارم کی آواز اور انداز میں عاجزی سی تھی۔ انس نے آنکھوں اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

یہ وہی گھر تھا جہاں کل تک شادی کے ترانے گونج رہے تھے۔ آج ایک ہولناک سناٹا طاری تھا۔ دروازہ عفت نے کھولا۔

"نائلہ گھر چلی گئی ہے۔ امی وغیرہ کو بتائے گی تو پھر گھبرا جائیں گی۔ اکیلی ہوں گی اس لیے۔" عفت کا چہرہ رویا رویا اور آواز بھاری سی تھی۔ انس تھکے تھکے قدموں سے لاؤنج میں آکر ڈھیر ہو گیا۔

"میں ناشتا لاتی ہوں۔" وہ جھکی جھکی نظروں سے انہیں دیکھ کر بولی۔ پھر کمرے سے باہر جاتے جاتے رک سی گئی۔

"وہ۔ انس بھائی!" اس کا انداز رکا رکا سا تھا۔ "سوہا اوپر کمرے میں ہے۔" اور اس کی توقع کے عین مطابق اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"میرا خیال ہے آپ وہیں چلے جائیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ انس کچھ دیر اور وہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت کو یاد کرنا چاہتا تھا۔

پرسوں رات کے وقت کو' جب سارے دوست اور حدید مل کر کمرے میں گانا بجانا کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ گا رہے تھے اور اسے چھیڑ رہے تھے۔ وقت کیسے ریت کی طرح مٹھی سے پھسل جاتا ہے۔ انسان کے اختیار سے باہر اور شاید انسان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک گہری سانس لے کر اوپر آیا۔

کیا کر رہی ہوگی سوہا۔ میرا انتظار کر رہی ہو یا شاید ناراض بھی ہو۔ میں بھی تو اس اہم موقع پر اس کے پاس نہیں تھا۔ کسے پتا تھا کہ وہ حسین رات' جس کے کتنے ہی سپنے اس نے جاگتی آنکھوں سے بنے تھے۔ یوں آکے گزرے گی کہ میں اس کی یادیں تو دور کی بات' اس کے سائے تک نہیں ڈھونڈ پاؤں گا۔ کمرے کا یوں بھڑا ہوا دروازہ وا کرنے تک کتنے خیالات کے تیز رفتار گھوڑے اس کے دھیان کی زمین پر دھول اڑاتے گزر گئے۔

دھڑکن قدرتی طور پر غیر معمولی اور تیز سی ہو گئی۔ کمرے کا منظر اس کی توقعات کے برعکس تھا۔ موتیے کی لڑیاں ایک طرف سمٹ کر بندھی ہوئی تھیں۔ سرسراتے پردے برابر تھے اور بیڈ پر سوہا گہری نیند سو رہی تھی۔ انس کے احساسات عجیب سے ہو گئے۔

سوہا اسے جس حال میں بھی ملتی۔ سجی سنوری' مسکراتی' یا روتی دھوتی' عام سے لباس میں۔ مگر کم از کم اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔ اس گھر اور گھر کے مکینوں پر گزرنے والے حادثے اور اپنی زندگی کے اس اہم موڑ پر نئے آغاز اور تمام تر ہنگامہ آرائی سے بے نیاز' وہ اتنے آرام سے سوئی ہوئی ملے گی۔

اس نے قریب جا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ چہرے پر آنسوؤں کے نشان نہیں تھے۔ مگر۔ ایک معمولی سی سوجن

ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ رات والا تمام بناؤ سنگھار ندارد تھا۔ کلائیاں سونی اور چہرہ میک اپ سے مبرا۔ بال بھی بکھرے بکھرے سے تھے۔ اس نے اسے جگانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکلتے ہوئے لاکھ منانے کے باوجود دل میں ایک معمولی سا شکوہ منہ بسور کے بیٹھ ہی گیا اور وہ بہت کوشش کے بعد بھی خاموش نہ رہ سکا۔

"سوہا سو رہی ہے۔" ناشتے کی ٹرے سامنے رکھتے ہوئے عفت نے بغور اسے دیکھا۔

"پوری رات جاگ کر آپ کا انتظار کرتی رہی۔ پھر صبح کے قریب میں نے ہی زور دے کر سلایا۔" وہ جانتی تھی۔ انس کے لہجے میں کیا کچھ تھا۔ شکوہ، تعجب، ناراضی، حیرانی، جب ہی صفائی پیش کرنی ضروری ہو گئی تھی۔ انس کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے ناشتا کرتا رہا۔

"آپ بھی اب ذرا دیر آرام کر لیں۔" ناشتے کے بعد اس نے برتن سمیٹے۔ "آپ کے آنے سے پہلے صارم بھائی نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ حدید کی حالت خطرے سے باہر ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ اب آپ کل ہی اسپتال جائیے گا۔"

"نہیں میں شام میں ہی چلا جاؤں گا۔" اس کا فیصلہ حتمی اور اٹل تھا۔

"مجھے ایک کپ چائے اور دے دو۔" وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر لیٹ گیا۔ عفت نے دیکھا ضرور، مگر کچھ کہہ نہیں سکی۔



جانے وہ کون سا غیر معمولی جذبہ انسیت تھا جو اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے دل میں ابھرا تھا۔

اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر دل میں بار بار ہر وقت اسے دیکھنے کی خواہش جنم لینے لگی۔ وہ خود ہی اپنی دلی کیفیت کو محسوس کر کے متعجب سا ہو گیا۔ کیا خاص تھا اس میں، کچھ بھی تو نہیں یا شاید یہ اس کا گریز اور محتاط رویہ تھا جو آج کل کی لڑکیوں میں ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے جتنی بار بھی اس پر نظر ڈالی۔ اسے اس احساس سے الجھتا ہوا پایا کہ کوئی غیر انجان شخص اسے دیکھ رہا ہے۔

اس کی بہن کب سے اس کے پیچھے پڑی تھی کہ اب شادی کر لو۔ مگر وہ ہر بار اسے ٹالتا رہا۔ کیا کہتا۔ عورت کے ہر روپ میں وہ اس کا احترام کرتا ہے مگر بیوی۔۔۔ شاید اس رشتے پر وہ کبھی اعتبار نہ کر سکے اور کیوں نہ کر سکے۔ اس کی وجہ بھی وہ کسی کو بتا نہیں سکتا تھا۔

دیار غیر میں کسی معمول کی طرح گزرنے والی بے کیف راتیں اور بے مقصد دن، اسے لگتا زندگی بس اسی بے مقصد صبح و شام سے عبارت ہے اور شاید یوں ہی اختتام پذیر ہو جائے گی۔ کسی ہم سفر کے ساتھ کی ضرورت تھی نا اعتبار، ہاں ایک خواہش جو اگر کبھی تھی بھی تو کسی کی بے وفائی کا زخم کھانے کے بعد ابدی نیند سو چکی تھی۔

"اب ان محبت کرنے والی بہنوں کو کوئی کیسے سمجھائے، کھنڈر دلوں کے بنجر جذبے، کسی نوخیز حسن کی ہریالی میں کھل کھیلنے کے قابل نہیں ہوتے۔" کمرے کی فضا میں اس کی خود کلامی گونجی اور گہری یاسیت سرنیہوڑ کے اس کے سامنے آبیٹھی۔

"واٹ! تم یہ بات مجھے اب بتا رہے ہو۔" کسی کی نوکیلی آواز اس کی سماعتیں چھیدنے کے لیے ہزاروں بار کی طرح اس بار بھی بن بلائے چلی آئی۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو حسیب۔ تم جو چاہے کرتے پھرو گے اور بعد میں آ کے مجھ سے معافی مانگ لو گے اور میں تمہیں اتنی آسانی سے معاف کر دوں گی۔"

"لیکن وہ سب تم سے ملنے سے پہلے کی بات ہے۔"

"سو واٹ! تمہیں مجھے بتانا تو چاہیے تھا۔ میں تو ہمیشہ تم سے کہتی رہی کہ تم پہلے شخص ہو جسے میں نے چاہا۔ ہاں لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک میں اپنے آپ کو ہی سمجھتی رہی کہ میں شاید تمہاری پہلی محبت ہوں۔ مگر نہیں۔۔۔۔"

"نہیں کیوں نہیں ماریہ! تم ہی تو ہو میری محبت، میری چاہت، میرا مان، سب کچھ۔" اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو بازوؤں سے تھام کر اپنی طرف موڑا۔

"مت ہاتھ لگاؤ مجھے۔" اس نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"اپنے تمام جذبے کسی اور پر لٹا کر تم اب مجھ سے یہ دعوا کیسے کر سکتے ہو حسیب۔"

وہ اس کی غلطی بخشنے پر تیار نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو شاید اس کی غلطی کو غلطی جاننے کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔

"آئندہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" اس کے دھواں دھواں چہرے پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

کمرہ خالی ہو چکا تھا اور دل ویران۔ اس کی زندگی کی طرح اور کتنے ہی سالوں سے یہ زندگی یوں ہی ویران تھی اور یہ دل یوں ہی جذبوں سے خالی تھا۔ ہاں مگر اس چہرے کو دیکھنے کے بعد یہ کیفیت کچھ بدلی بدلی سی تھی۔ وہ اس بدلتی کیفیت سے حیران بھی تھا۔ خائف بھی اور شاید کہیں خوش بھی۔



کسی عجیب سے احساس کے تحت سوتے میں اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ ابھی اللہ پوری طرح سے عروج پر نہیں پہنچی تھی۔ سورج کی تپش میں صبح کی نرمی باقی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی، بارہ بجے تھے۔ جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھپاکے مارتی نیچے اتری تو لاؤنج میں صوفے پر انس کو محو خواب دیکھ کر سن سی ہو گئی۔ باقی گھر میں جانے کوئی تھا یا نہیں اور انس پتا نہیں کتنی گہری نیند میں تھا۔ اس نے قریب جا کر اس کا تھکا ماندہ چہرہ دیکھا۔ عفت نے لاؤنج میں قدم رکھا تو وہ اسے دیکھ کر بے اختیار پیچھے ہٹتی ہوئی جھینپ سی گئی۔

"کچھ کھاؤ گی۔" وہ محبت سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے نماز کی طرح دوپٹا لپیٹ رکھا تھا۔

"نہیں بالکل بھوک نہیں ہے۔" "اچھا اوپر چلو میں انس بھائی کو بھیجتی ہوں۔"

"مگر میں تو ابھی۔۔۔" اس نے کہنا چاہا، مگر عفت نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کرا دیا۔ پھر اوپر جانے کا اشارہ کیا۔

"تھوڑا میک اپ کرو، زیور پہنو، تم ایک دن کی دلہن ہو۔" عفت کو کہتے ہوئے عجیب سی خجالت کا احساس ہوتا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔

اس نے ذرا ڈارک کلر کی لپ اسٹک لگائی اور کانوں میں آویزے پہن کر ایک ہاتھ میں چوڑی ڈال لی۔

سیڑھیوں پر کسی کی آہٹ ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

انس نے اندر داخل ہو کر دیکھا۔ سر پر دوپٹا ہونے کی وجہ سے چہرہ چھپ سا گیا تھا۔ اس نے چہرہ جھکا بھی رکھا تھا۔

"السلام علیکم۔" سوہا نے سلام میں پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔" دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے دھیرے سے جواب دیا تھا۔

اس نے جھکی پلکوں سے دیکھا۔ انس اس کے بالکل پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔ چہرے سے ایک دم ہی آگ سے نکلنے لگی۔ وہ موتیے کی بندھی ہوئی لڑیاں کھول رہا تھا۔ "کیسی ہو۔" اس نے

سامنے بیٹھ کر سوہا کے حنائی ہاتھ تھامے۔
"آپ کیسے ہیں۔" سوال کا جواب سوال سن کر وہ ہنس دیا۔ ایک پھیکی سی ہنسی۔
"ٹھیک ہوں میں۔"
"اور حدید۔"
"وہ بھی ٹھیک ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ اب تو بہتر ہے۔ تم ٹھیک سے بیٹھونا۔" اس نے پیر اٹھا کر بیڈ پر رکھ لیے۔ انس بھی سہولت سے اس کے دوسری طرف نیم دراز ہو گیا۔
"میں جانتا ہوں تم کل میرے نہ آنے کی وجہ سے اداس ہو گئی ہو گی' ہے نا۔" اس نے ایک بازو اس کے شانے پر پھیلا کر اسے قریب کر لیا۔ یہ ان دونوں کے درمیان قائم ہونے والے رشتے کا پہلا بے تکلفانہ استحقاق تھا۔ سوہا اس کی بات سننے کے بجائے ایک دم سمٹ سی گئی۔ اس سے جواب میں کچھ بولا نہیں گیا۔ انس دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام کر سہلانے لگا۔
"زندگی میں ہر کام' بلکہ کوئی بھی کام ہماری مرضی سے نہیں ہوتا۔ بظاہر جو کچھ ہماری پلاننگ سے ہو بھی رہا ہوتا ہے۔ وہ دراصل خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ اس کی رضا اور ہماری بھلائی۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں اور یقیناً" تم بھی رکھتی ہو گی۔" اس نے رک کر اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔
"تو ہو سکتا ہے ہماری بھلائی اور بہتری اسی میں ہو۔ جو رات اور جو لمحے ہمارے قسمت میں ہمارے ساتھ کے درج نہیں تھے۔ وہ گزر چکے۔ ان کے افسوس میں آنے والے دنوں اور آنے والی زندگی کو ضائع کیوں کریں۔ ابھی ایسی بہت سی راتیں آگے زندگی میں ہماری منتظر ہیں۔ ہمیں خوش دلی سے گزرا ہوا وقت بھول کر آنے والے لمحات کو خوش آمدید کہنا چاہیے' ہوں۔۔۔"
اس نے دو انگلیاں اس کی تھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ سوہا اس کی قربت کی آنچ سے پگھل رہی تھی۔ گھبرا رہی تھی اور وہ کس حساب کتاب میں کھویا تھا۔ وہاں تو منظر ہی اور تھا۔ وہ دیر تک نگاہوں میں اس کا شرمیلا روپ جذب کرتا رہا۔
"آپ کچھ دیر لیٹ جائیں۔ آرام کر لیں۔" اس نے گھبرا کر ایک بے تکا مشورہ دیا۔ خود پر سے اس کی نظریں ہٹانے کے لیے اسے یہی ایک بات سوجھی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ دل خود بخود کسی انجانی مگر مدھر دھن پر گنگنانے لگا۔ اسے ایک دم ہی شرارت سوجھی۔
"جو حکم جناب۔" اور اس نے فوراً" سوہا کی گود میں سر رکھ دیا۔ سوہا ایک دم بدک سی گئی۔
"میرا مطلب تھا تکیے پر۔۔۔" وہ گڑبڑا کر وضاحت دینے لگی۔ پھر شرما کر چپ ہو گئی۔
"یہ جگہ بھی بری نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں خمار آگیا تھا۔ سنہری کلائیوں پر مضبوط ہتھیلیوں کی گرم گرفت تھی اور ایک محبوب چہرہ قریب تر۔ سوہا کی نظریں ادھر ادھر بھٹکتی پھرتیں۔ پھر اس کے چہرے پر آن رکتیں۔ پھر جھینپ کر راستہ بدل لیتیں اور وہ خود تو تھا ہی بے خود۔۔۔ یہ چہرہ قریب سے' فرصت سے دیکھنے کی خواہش بھی تو بہت تھی اور موقع بھی بڑے موقع سے ملا تھا۔



حدید کو ہوش آچکا تھا۔ انس جب اسپتال پہنچا تو وہ دھیرے دھیرے صارم سے بات کر رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے زیادہ بولنے سے منع کیا تھا۔ ماما' امی اور خالہ جان بھی وہیں تھیں۔ ماما کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ چکی تھی۔ وہ کتنی دیر چھوٹی بہنوں کی طرح اس کا سر تھپکتا رہا۔ اس کے آنسو صاف کرتا رہا۔

خالہ جان یعنی پایا کی تائی امی موقع کی نزاکت کا احساس کیے بغیر اس منظر کو بہت بے چینی سے ملاحظہ کرتی رہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ انہیں اپنا دوسرا بھانجا بھی ہاتھوں سے نکلتا ہوا لگ رہا تھا۔
"اب تم انس کے ساتھ چلی جانا گھر' عفت کو بھیج دو۔ بے چاری تھک گئی ہو گی کام کر کر کے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے لبوں سے ایک عجیب سی بات نکل ہی گئی۔
ماما کو تو صبح ہی حدید کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلا تھا۔ بلکہ خود ان کو بھی اور رہی عفت تو اسے ایسے گھر میں کیا اور کتنا کام ہو سکتا تھا۔ جہاں خود اس کے اور ایک نئی نویلی دلہن کے سوا کوئی موجود ہی نہ تھا۔
صارم اپنے گھر گیا تھا اور جاتے وقت یہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ حدید کے پاس رات میں ٹھہرنے کے لیے کسی کا انتظام کر دے گا۔ مگر انس کو کسی کے آنے کی پروا نہیں تھی۔ وہ آج کی رات بھی اسپتال میں ہی رکنا چاہتا تھا۔
حدید سو چکا تھا۔ کمزوری اور مسکن دواؤں کے زیر اثر اسے نیند آبھی زیادہ رہی تھی۔ انس ترحم' تاسف اور محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کمزور' زرد۔
خالہ جان' امی اور ماما واپسی کے لیے اٹھ گئیں۔ صد شکر کہ انہوں نے واپسی کے وقت کوئی بات نہیں کی۔ شاید انہیں اپنی بات کے بے تکے پن کا اندازہ ہو گیا تھا۔



عفت اور وہ لاؤنج میں خاموشی سے بیٹھی تھیں۔ آج اس کی شادی کا دوسرا دن تھا۔ اصولاً" آنے والے اس کا ولیمہ ہوتا تھا۔ مگر۔۔۔ انس نے عفت سے کہا تھا کہ ولیمہ ملتوی ہونے کی خبر خاندان میں سب کو پہنچا دے۔
"میرا بھائی اسپتال میں پڑا ہے اور میں دعوتیں اڑاؤں۔"
انس کے انداز میں ناگواری سی تھی۔ چپکے چپکے اس کا چہرہ پڑھتی سوہا نے دل میں پہلی بار اس کی بات پر ناگواری محسوس کی۔
کیسی عجیب بات تھی۔ زندگی کا وہ حصہ جب ہر روز' روز عید اور ہر شب شب برات محسوس ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کا وہ حصہ ایک عجیب سے خالی پن کی نظر ہو رہا تھا۔
حدید سے انسیت اپنی جگہ' اس کا ایکسیڈنٹ اور اس کی تشویش ناک حالت اپنی جگہ' اسپتال کے بھاری اخراجات' اس تمام صورت حال کے باوجود' اس سب سے قطع نظر ارزاں تو اس کی اپنی ذات بھی نہ تھی کہ وہ اور اس سے منسلک ہر خوشی یوں نظر انداز کر دی جاتی۔ یہ ٹھیک تھا کہ حدید اسپتال میں ہو تو ولیمہ کی دعوت نامناسب لگتی۔ مگر انس آج رات بھی اسپتال میں رک گیا تھا۔
یہ اس کی شادی کے انتہائی ابتدائی دن تھے۔ جب عام سی ترین صورتیں بھی' چاند چہرہ' ستارہ آنکھوں کا لقب پاتی ہیں۔ روتی بسورتی شکلیں بے وجہ مسکراتی ہیں۔ کرخت لہجوں میں نرمی اتر آتی ہے۔ خوشیوں اور امنگوں کا ایک الگ اور نیا ہی جہان ہوتا ہے۔ جہاں پر دل لمبی سے لمبی اڑان بھرنے کے لیے' پر تولے تیار بیٹھا رہتا ہے۔ بانہوں میں کھنکتی چوڑیوں سے لے کر' نم زلفوں سے ٹپکتی بوندوں تک اور ہم سفر کی ایک سرسری نگاہ سے لے کر' استحقاق بھری گرفت تک' سب کچھ معنی خیز اور ایک حجاب آگیں' مسکان سے جھلکتا ہے۔
اس کے معاملے میں اسے سب الٹا ہوتا لگنے لگا۔ جب رات کو گیارہ بجے تک انس کی واپسی کے امکان نظر نہ آئے۔
"تو ثابت ہوا کہ میں اہم ہوں' مگر اتنی زیادہ نہیں۔" جلد باز' جذباتی کم عمر لڑکیوں کی طرح اس نے بھی فیصلہ کرنے میں ذرا جلدی دکھائی۔ موقع محل کی مناسبت اس وقت انس کو اپنے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر وہ اپنے

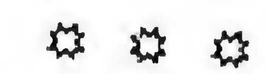
نئی دلہن کی ہی طرح سے بجے سجائے کمرے میں' تنہائی کی بانہوں میں سمٹی کروٹ کے بل سسک رہی تھی۔ بیلے کی کلیاں مرجھا چکی تھیں۔ اس کے دل میں پھوٹتے نئے کٹورا سانوں کی طرح۔

سرشام نئے سرے سے کیا گیا تمام بناؤ سنگھار' ٹشو پیپر کی ایک معمولی رگڑ سے ڈسٹ بن کی نظر ہو گیا۔ جھمکتے دمکتے طلائی آویزے' گلوبند' پازیب' قرینے سے واپس ڈبوں میں جانے کے بجائے' بے دلی سے سنگھار میز پر پھینکے گئے۔ آگے پھر طویل اور بے زار کن رات اس کی منتظر تھی۔

"اور کون جانے ایسی کتنی راتیں "اس کی قسمت میں باقی ہیں۔" کل وہ کہہ رہا تھا جو گزر گیا اس کا غم نہیں کرنا' جو آنے والا ہے۔ اس کا کھلے دل اور مہمان مسکراہٹ کے ساتھ خیر مقدم کرنا ہے۔

"تو کیا اس تنہائی کے ساتھ اپنی خوشیاں بانٹوں' یا اس اداس سناٹے کو اپنا غم سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کروں کہ مجھے بہت چاہ سے بیاہ کر لانے والا میرا جیون ساتھی بہت جلد مجھے بھول بیٹھا ہے۔" آنسو بے آواز پلکوں سے ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہوتے رہے۔

آج عفت اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی تھی۔ گو دل تو نہیں مانتا تھا۔ مگر یہ سوہا کا ہی اصرار تھا کہ اسے اکیلے کمرے میں ڈر لگتا ہے۔ سوہا کی دبی دبی آواز کی بہت دھیمی سسکیاں اس کے کانوں تک بھی آئی تھیں۔ وہ صرف انس کی عقل پر ماتم ہی کر سکتی تھی۔



صبح ہی صبح اس نے بے حد غصے کے عالم میں گھر فون کیا۔ "امی اور میں تو اسپتال جا رہے تھے۔" ماہا اپنے دھیان میں تھی۔ اس کی آواز اور لہجے پر چونک گئی۔

"کیا ہوا۔"

"ہونا کیا ہے بس۔۔۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" "تو ٹی وی پہ فیوو دیکھ لو۔"

"مجھے نہیں دیکھنا۔ میں کیا یہاں ٹی وی دیکھنے کے لیے آئی ہوں۔" وہ بہت اکتا گئی تھی۔

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"گھر آجاؤ مجھے لینے۔"

"میں اکیلی کیسے آؤں گی۔" ماہا متذبذب ہوئی۔

"اوفوہ سیدھی بس تو آتی ہے اور تم کیا ایسی ننھی تو بلی ہو کہ کہیں آجا نہیں سکتیں۔"

عفت پاس کھڑی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے تیور دیکھ کر چپ چاپ باہر نکل گئی۔

"اچھا ذرا اسپتال ہو آئیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں وہاں جانے کی۔" سوہا بے اختیار آواز دبا کر چیخی۔

"تم پہلی فرصت میں یہاں آؤ بس۔۔۔ ورنہ اچھی بات نہیں ہو گی۔"

اس نے فیصلہ کن انداز میں کہہ کر لائن کاٹی' پھر۔۔۔ سیل بیڈ پر پھینک کر رونے لگی۔



ذرا دیر بعد ماہا امی کے ساتھ موجود تھی۔

وہ امی کو سلام کرنے نکلی تو اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں نم تھیں۔

امی کو معلوم تھا وہ انس کی بے توجہی سے اداس ہو گئی ہے' مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھیں۔ سوہا ان کے پاس بھی زیادہ دیر تک نہیں بیٹھی۔ بلکہ اوپر کمرے میں جا کر بند ہو گئی۔ امی نے ماہا کو اس کے پاس بھیجا۔ انہیں اس کا رویہ بہت غیر معمولی سا لگ رہا تھا۔

"امی سے کہو وہ عفت کو لے کر اسپتال چلی جائیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔" وہ کمرے میں ماہا کی آمد کی منتظر بھری بیٹھی تھی۔

"اچھا کہہ دیتی ہوں۔"

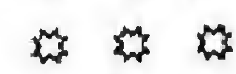
ماہا نے اس کے فیصلہ کن انداز پر گہری سانس بھری اور پلٹ گئی۔

سوہا بھری بھری آنکھوں سے ایک جوڑا اور چند چوڑیاں بیگ میں رکھ کر تیار ہو گئی۔ امی عفت کے ساتھ اسپتال چلی گئیں۔

گھر کی چابی عفت کے ہی پاس تھی۔ اس نے اسپتال میں ہی انس کے حوالے کرنے کے خیال سے ساتھ ہی رکھ لی۔ وہ خود بھی اب گھر جانا چاہ رہی تھی۔ خاندان میں سے کوئی ایک بھی تو یہاں سوہا سے ملنے نہیں آیا تھا۔ جس جس کو خبر ملی' حدید کی عیادت کو ہی پہنچا۔

"پرہیزی کھانا تو میں گھر سے بنا کر بھی دے سکتی ہوں۔ انس ہمارے یہاں نہیں تو سوہا کے ساتھ ہی رک جائے گا۔"

اس نے گھر سے نکلتے نکلتے اپنی رائے بھی دے دی تھی۔ کسی کو انکار یا اعتراض نہ تھا۔



شام سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ جب اس نے تالا کھول کر ویران گھر میں قدم رکھا۔ ہر ہر قدم پر سر نیہوڑائے اداسی اس کے ساتھ ساتھ سرکتی اس کے کمرے میں پہنچی اور اس سے پہلے ہی وہاں قابض ہو گئی۔

اس نے دہلیز پر ٹک کر چوکھٹ سے ٹیک لگائے کتنی ہی دیر خالی کمرے کو تکنے میں لگا دی۔ سب چیزیں ساکت پڑی تھیں۔ انہیں ساکت ہی رہنا تھا۔ انہیں برتنے والی وہاں نہیں تھی۔ لیکن اس کا احساس ضرور ہر کونے سے جھانک رہا تھا۔

مرجھائے ہوئے پھولوں کی باسی مہک نے ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس نے اپنے پیر چپلوں کی قید سے آزاد کیے اور دھیرے سے آگے بڑھ کر الجھی ہوئی لڑیوں کو بے دھیانی سے سلجھانے لگا۔

"عفت' حدید' سوہا۔"

کتنے ہی لوگ دھیان کی ڈور سے الجھے مگر گرہ لگی تو صرف سوہا پر۔

"سوہا۔" اس کے لبوں پر دھیرے سے ایک نام چمک کر بجھ گیا۔

وہ گہری سانس لے کر لڑیاں ہٹانے لگا۔ پھر ایک ڈھیر کی صورت میں جمع کر کے ڈسٹ بن میں ڈالا سائیڈ ٹیبل پر گلاب کے پھولوں کے بڑے بڑے گل دستے سجاوٹ کی نیت سے رکھے گئے تھے۔ موتیے کی لڑیوں کے بعد ان پھولوں کی باری آئی۔ پھر دیواروں اور فرنیچر پر لگے آرائشی گلوں کی۔ تھوڑی ہی دیر میں مرجھائے ہوئے پھولوں سے کمرہ خالی اور ڈسٹ بن بھر چکا تھا۔ کمرے میں چکراتی مہک کافی کم ہو گئی تھی۔

بدلتا موسم اپنی نرم حدت لیے کمرے میں گھس آیا تھا۔ اس نے ہلکا سا پنکھا چلا کر چادر تان لی۔

نیند آنکھوں سے دور سہی۔ کسی کی یاد بہت فرصت سے دل و دماغ پر دستک دیتی سوچ کے کواڑ کھلنے کی منتظر تھی۔



اسے دبئی فون کر کے صارم نے اس وقت حدید کے ایکسیڈنٹ کی خبر دی جب' نہ صرف اس کی حالت

خطرے سے باہر آچکی تھی۔ بلکہ صورت حال کافی حد تک بہتر تھی۔ اس کا گھبرانا ایک فطری سا عمل تھا۔ کاروباری مصروفیات اپنی جگہ تھیں۔ وہ ایک دم سب چھوڑ کر پاکستان تو نہیں جا سکتا تھا۔ ہاں البتہ انس سے فون پر خبر گیری ضرور کی۔ اسے اپنے ساتھ اور ہر قسم کے مالی تعاون اور مدد کا بھرپور یقین دلایا۔

وہ اپنے اور انس کے رشتے کو مستقبل میں جس نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ جتنا ہو سکے اس مشکل وقت میں اس کا ساتھ دے۔

فی الحال تو انس نے کسی قسم کی مالی مدد لینے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر حسیب کے خلوص بھرے انداز پر اس کے دل کو اطمینان ضرور ہوا تھا۔

حسیب نے کراچی میں مقیم اپنی بہن کو فون پر نہ صرف اپنی شادی کی رضامندی دے دی تھی۔ بلکہ ماہا اور سوہا کا حدود اربع بھی بتا دیا تھا۔

اس کی بہن کا خیال تھا کہ پہلے وہ اپنے بھائی کے دوست کی عیادت کے بہانے ان لوگوں کو دیکھ بھال کر فیصلہ کرے گی۔ پھر رشتہ وغیرہ اس کے دوست کی حالت سنبھلنے کے بعد ہی دیا جائے تو بہتر رہے گا۔

حسیب کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ یوں بھی اسے یقین تھا کہ ماہا اس کی بہن کو ضرور پسند آجائے گی۔ اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ مسترد کر ہی نہیں سکتی۔

☼ ☼ ☼

مغرب کے بعد کہیں جا کے ماہا کے سیل پر انس کی کال آئی تھی۔

وہ جان بوجھ کر سوتی بن گئی۔ ماہا نے ہی فون پر بات کی تھی' تب سے اب تک ڈیڑھ دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں بے حس و حرکت پڑی تھی۔

کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا موتی پلکوں کے کنارے پر چمکتا۔ وہ بے دردی سے آنکھیں تو کیا پورا چہرہ ہی رگڑ ڈالتی۔

شرہا حضوری یا امی کے ڈر سے زبردستی لادا گیا زیور' ہینڈ بیگ کی زینت بن چکا تھا۔ ماہا پر اس کے مزاج کی برہمی کسی حد تک واضح ہو چکی تھی۔

خاندان کے اور بہت سے دوسرے افراد کی طرح سوہا سے ہمدردی رکھنے کے باوجود' وہ انس کی مخالفت نہیں کر سکتی تھی۔ اور سوہا کو شاید اسی بات پر ماہا سے خفگی تھی۔ بلکہ وہ تو شاید ہر شخص سے ہی ناراض تھی۔

عفت نے بہت معاملہ فہمی کا ثبوت دیا جو ماہا کو زیادہ کرید کرنے سے منع کر دیا۔ وہ جب سے آئی تھی' ماہا صرف اس کا چہرہ جانچنے کے کام کر رہی تھی۔

نہ اس نے کوئی بات کی نہ سوہا نے ہی اسے مخاطب کیا۔ انس کا فون بند کرنے کے بعد اسے پتا چلا کہ سوہا جاگ رہی تھی۔ مگر جان کر آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ تب سے اب تک ایک ہی کروٹ کے بل لیٹ کر' خلا میں نگاہیں گاڑے کیا سوچ رہی تھی۔ اندازہ لگانا سہل بھی تھا اور شاید کٹھن بھی۔

کبھی اسے لگتا وہ رو رہی ہے۔ کبھی اس کا چہرہ سرخ پڑ جاتا۔ اور کبھی غصے کے آثار نظر آتے۔ امی عشاء پڑھ کر سونے ہی جا رہی تھیں۔ انہیں فجر میں اٹھنا ہوتا تھا۔ جب انس نے دروازے پر دستک دی۔

گو کہ کوئی ایسی رات نہیں گزری تھی۔ گھڑی نو کے ہندسے سے ذرا ہی آگے سرکی تھی۔ مگر سوہا جس تیزی سے اس کی آمد کا سن کر باتھ روم میں بند ہوئی تھی۔ اس سے ماہا کو لگا شاید بہت دیر ہو گئی۔

امی انس سے باتیں کر کے اور حدید کی طرف سے اطمینان لے کر سونے چلی گئیں۔ انہوں نے انس کو خاص تاکید کی تھی کہ آج رات یہیں رک جائے۔

"وہ۔ سوہا نہا رہی ہے۔" ماہا نے اسے اٹک اٹک کر بتایا۔

انس سر ہلا کر خاموشی سے چائے پینے لگا۔ ماہا کی سمجھ میں نہیں آیا مزید کیا بات کرے۔ حدید کی خیریت بھی پتا چل چکی تھی۔

باتھ روم صحن کے ایک کونے میں ہی تھا۔ جس کے بند دروازے کے پیچھے چھائی خاموشی ماہا کے جھوٹ کا بھرم کھول رہی تھی۔

"اتنی رات میں نہانا ٹھیک نہیں۔"

انس کافی دیر کے بعد مختصر سا تبصرہ کر کے خاموش ہو گیا۔

"میں امی کے پاس کمرے میں جا رہی ہوں آپ اس کمرے میں۔" اس سے بات مکمل نہیں ہو سکی۔ سوہا باتھ روم کا دروازہ کھول کر نکلی اور انس کی طرف دیکھے بغیر کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ضرورت تھی تمہیں وہاں رک کر ان کی نوکرانی بننے کی۔" نائلہ دبی دبی آواز میں چیخ رہی تھی۔

"نوکرانی بننے کی کیا بات ہے۔ کسی کو تو رکنا تھا نا وہاں۔ میں نہیں تو امی یا چچی رک جاتیں۔" عفت جانتی تھی۔ نائلہ کو اس کا انس کے گھر رکنا بہت برا لگا تھا۔ اور کم از کم اس کے سامنے وہ ہر ناگواری کا اظہار کرنے میں بالکل آزاد تھی۔

"ہاں تو رکتیں چچی جان۔ ان کی لاڈلی کا گھر ہے نا وہ۔ اور رہیں اماں تو ان کو تو میں کبھی بھی نہ رکنے دیتی۔"

"کیوں بھئی۔ ایسی بھی کیا بات ہو گئی۔ ان کی بہن کا گھر ہے وہ۔"

"ہے نہیں۔ کبھی تھا۔ جب تک ان کی بہن زندہ تھیں —————— یا جب تک انس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔"

"اب کیا ہو گیا۔" عفت اکتا سی گئی۔

"اب یہ ہو گیا کہ جب خدمتیں کرنے کا وقت آتا ہے تو خالہ یا ان کی بیٹیاں رہ جاتی ہیں۔" عفت گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

"شادی کے وقت انس کو میں نظر نہیں آئی۔ پہلے کس قدر دوستانہ رویہ تھا میرے ساتھ۔ اور یہ حدید۔ اس کو تو ابھی سے مٹھی میں کر کے رکھا ہوا ہے۔ جادو گرنی ہے پوری۔" نائلہ کے لہجے میں سلگتی جلن کی تپش عفت تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا نائلہ۔ بھول جاؤ اب اس بات کو۔ تم ایک بے کار کی بات کو جواز بنا کر حسد کر رہی ہو۔ تم خود سوچ سوچ کر گھل جاؤ گی۔ اور کسی کو احساس تک نہ ہو گا۔ انس بھائی کی شادی سے پہلے تم سے جتنی بھی دوستی رہی ہو۔ مگر اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوہا ان کی بیوی ہے۔" عفت نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ہمیشہ کی طرح ایک ناکام کوشش۔

"کچھ بھی ہو۔ میں ایک بار انس سے پوچھوں گی ضرور کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ میرے جذبوں سے لاعلم تو وہ بہرالحال نہیں تھا۔"

رات کے سناٹے میں اس کی آواز سرسرا رہی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"کیوں اس میں دماغ خراب ہونے والی کیا بات ہے۔"

"اور نہیں تو کیا۔ وہ دھڑلے سے یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انہوں نے کبھی تمہیں شادی کے سبز باغ نہیں دکھائے۔"

"ارے منہ سے نہیں کہا تو کیا ہوا۔ اس کا رویہ تو مجھے احساس دلاتا تھا ناں۔" عفت چند لمحوں کے لیے چپ کر گئی۔

لڑکیاں' اپنی ذہنیت سے کتنی ہی چالاک ہوں مگر' فطرت سے معصوم ہی ہوتی ہے۔ کسی کی ذرا سی ہنسی۔ ایک نرم مسکراہٹ اور ایک مہربان نظر سے زندگی بھر کے لیے مفہوم تلاش کر خواب بننے والی۔ معصوم اور نادان لڑکیاں۔

اس نے دل ہی دل میں تمام لڑکیوں کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کو بھی سلام پیش کیا۔ خود وہ بھی تو حدید کے نرم رویے سے آس لگائے بیٹھی تھی۔



"کیا بات ہے سوہا۔ تم ناراض ہو انس بھائی سے۔"

ماہا اس کے رویے سے حد درجہ الجھ گئی تھی۔ ابھی ان کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے۔

"نہیں۔" مختصراً" کہہ کر وہ صاف ستھرا بستر جھاڑنے لگی۔

ماہا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی حرکتوں سے ناراضی جھلک رہی تھی۔

"اچھا میں ان کو بھیجتی ہوں۔ وہ آج رات یہیں رکیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی آواز بہت بلند تھی۔ ماہا باہر نکلتے نکلتے ٹھٹک گئی۔

"کیوں۔"

"کیونکہ وہ آج یہاں نہیں۔ حدید کے پاس اسپتال میں رکیں گے۔"

"پاگل ہوئی ہو۔" ماہا نے آواز دبا کر احتیاطاً" باہر نظر ڈالی۔ سامنے سے انس نظر نہیں آرہا تھا مگر' آواز یقیناً" اس تک پہنچی ہوگی۔

"اب اس وقت وہ اسپتال کیوں جائیں گے۔"

"کیونکہ ان کا بھائی' جس سے وہ بے حد پیار کرتے ہیں اس وقت ہاسپٹلائز ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور کیوں۔" اس کی آواز میں کاٹ تھی۔

"میں انہیں بھیج رہی ہوں یہاں۔"

"ماہا اگر تم نے ایسا کیا تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" اس کی آواز پر ماہا نے گھبرا کر باہر دیکھا۔ انس اسی طرف آرہا تھا۔

"ویسے بھی میں یہاں آئی ہوں تمہارے ساتھ وقت گزارنے کے لیے۔" انس دروازے تک آگیا تھا۔ سوہا کی پشت ہونے کی وجہ سے وہ انس کو دیکھ نہیں سکی۔ مگر انس نے اس کی بات سن لی تھی۔

"انس بھائی! اندر آجائیں۔"

سوہا کو اس کی بدتمیزی سے روکنے کا فی الحال یہی ایک طریقہ تھا کہ وہ اسے انس کی موجودگی کا احساس دلا دیتی۔

"نہیں بس' اب کافی رات ہوگئی ہے۔ اب چلوں گا گھر۔" اس نے بہت تحمل سے ماہا کی بات کا جواب دے کر سوہا کو دیکھا۔

"سوہا آپ چلیں گی میرے ساتھ۔" وہ یونہی رخ موڑ کر کھڑی رہی۔

"میں وہاں اکیلے کیا کروں گی۔ اور اگر آپ یہاں سے ڈائریکٹ اسپتال چلے جائیں تو راستہ زیادہ لمبا نہیں پڑے گا آپ کو۔" اس کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔ مگر اس میں بدتمیزی کا عنصر واضح تھا۔

انس نے کندھے اچکا کر ماہا کو دیکھا اور خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا۔ ماہا اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اتر کر بیرونی دروازے تک آئی۔

"انس بھائی۔" وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"سوہا کی باتوں کا برا مت مانیے گا۔ وہ ایکچوئیلی بہت ڈسٹرب سی ہوگئی ہے۔" اس کی آواز لجلجا گئی تھی۔

زندگی میں کبھی اس طرح کی عجیب' معذرت خواہانہ اور شرمندہ صورت حال سے واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔

دو دن فقط... دو دن پرانا بہنوئی اور یہ وضاحتیں۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہوگئیں۔ (امی کو بھی تو تمام بات کا کچھ علم نہیں اف۔)

"میں جانتا ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔

"اپنا خیال رکھنا اور اپنی بہن کا بھی۔" ماہا نے بے حد بجھے دل سے دروازہ بند کیا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے چپک کر کھڑی نائلہ کا وجود اندھیرے میں گم تھا۔ اور اس کے لبوں پر کھیلتی کڑوی مسکراہٹ بھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



فرحین اظفر

درد سے وفا

سوہا اور رابا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید 'انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس 'سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کرتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آ جاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

تیسری قسط







سرخ ٹیولپ کے اوپری اختتام پر کھڑی خاتون اجنبی سہی مگر بہت متاثر کن شخصیت کی مالک تھیں۔ سہا انہیں پہچان نہ سکنے کے باوجود چیئر پر سے کھڑی ہو گئی۔ سلام دعا کر کے انہیں وہیں لا رہی تھی۔

"میں انس کے دوست حسیب کی بڑی بہن ہوں۔" اتنا تعارف ہی جان پہچان بنانے کے لیے کافی تھا۔

امی انہیں اپنے کمرے میں لے جانے لگیں جو خاص مہمانوں کی آمد پر از خود ڈرائنگ روم کا اعزاز حاصل کر لیتا تھا مگر وہ بے تکلفی سے وہیں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئیں۔

"یہیں ٹھیک ہے آنٹی۔ اچھا لگ رہا ہے کھلی فضا میں بیٹھنا۔" ان کا انداز گفتگو تھا یا کیا کہ ذرا سی دیر میں خواتین آپس میں بے تکلف ہو چکی تھیں۔ امی انہیں حدید کے ایکسیڈنٹ کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگیں۔ ماہا چائے بنانے چلی گئی۔ سہا کافی دیر سے منہ بند کیے بیٹھی تھی۔

"آپ ہمیشہ سے اتنی ہی کم گو ہو یا انس نے کوئی پابندی لگا رکھی ہے۔" امی مغرب کی نماز کے لیے اٹھیں تو انہوں نے ایک دم ہی سہا کو مخاطب کر لیا۔ وہ کافی دیر سے اس کی بے توجہی ملاحظہ کر رہی تھیں۔ ماہا نے چائے لاتے ہوئے ان کی بات سنی۔

"نہیں دراصل بات یہ ہے کہ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔" اس نے جلدی سے چائے کے کپ کے ساتھ صفائی پیش کی۔ سہا نے بھی سنبھل کر ایک پھیکی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔ خاتون کافی فرصت سے بیٹھیں۔ باتیں دلچسپ کر رہی تھیں۔ اس لیے ماہا سے خوب گپ شپ لگی۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں۔ اس لیے جب رخصت لے رہی تھیں تو اس کی جائے پیدائش اور تاریخ پیدائش سے لے کر تعلیم اور مشاغل تک سب ہی کچھ معلوم کر چکی تھیں۔

"کتنا بول رہی تھیں۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کسی کے گھر پہلی بار آئی ہیں۔" ماہا انہیں دروازے تک چھوڑ کر پلٹی تو سہا بے زاری سے بولی۔ ماہا تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔



آلو پالک اور میتھی کی بھجیا بھننے کی خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بے دھیانی سے چمچہ چلا رہی تھی۔ ذہن میں لاتعداد سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں اور ارتکاز بار بار ایک نقطے پر ٹھہر جاتا تھا۔

نائلہ نے کل رات انس اور ماہا کی جو گفتگو سنی تھی من و عن عفت کے سامنے بیان کر دی تھی۔ اس کی خود غرض خوشی ہر انداز سے اپنے کمینے پن کا پتا دے رہی تھی۔ عفت نے اس سے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ فضول ہی تھا۔ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی تھی وہ جو یوں ایک معمولی بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہوئے کوئی مقصد پالینے کی چمک اس کے چہرے پر تھی۔ اوپر سے انس کے دوست کی بہن کی اس قدر اچانک آمد۔ وہ ان لوگوں کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھیں۔ جلد ہی اوپر چلی گئی تھیں مگر پھر بھی نائلہ مشکوک تھی کہ وہ صرف حدید کی عیادت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے آئی تھیں۔ وہ تو ان کے ساتھ ہی اوپر جانے کے چکر میں تھی۔ بڑی مشکل سے عفت نے روکا تھا مگر کھد بد تو خود اسے بھی لگ ہی گئی تھی! اور پھر اوپر ان کا اتنی دیر تک رکنا۔ باتوں اور ہنسی کی آوازیں اس کا دھیان بھٹکا رہا تھا۔



اسے امید نہیں تھی سہا اتنی بگڑ جائے گی۔ آج ان کی شادی کو ساتواں دن تھا اور اس کے یہ تیور۔

فون پر وہ ہوں ہاں سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی اور ساتھ آنے کو بھی تیار نہیں تھی۔ حدید کا اسپتال میں ہونا بھی ایک مضبوط بہانہ تھا۔ دل کی لاکھ حمایت پر بھی وہ ناگواری کے اس احساس کو دبا نہیں پایا تھا جو اس کا لہجہ اور انداز یاد کر کے ابھرتا تھا۔

"مجھے پتا تھا یہی ہو گا۔" صارم نے سنا تو سر پیٹ لیا۔

"کیوں۔ کیوں ہو گا۔ میں کسی اور کے ساتھ گلچھرے تو نہیں اڑا رہا تھا۔"

"اس قدر جہالت کی باتیں مت کرو۔ جوان جہان پڑھے لکھے سمجھ دار مرد ہو تم۔" صارم نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

"اب چلو جا کر مناؤ انہیں اور جب تک وہ ہنسی خوشی گھر نہ آ جائیں۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔" صارم نے اسے باہر کی طرف دھکیلا۔

"حدید اب بہت بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے کل پرسوں تک چھٹی بھی مل جائے۔" اس نے چلتے چلتے خوش خبری بھی سنا دی۔



اس بار وہ پندرہ دن کے بجائے ہفتہ دس دن میں چلی آئی تھی۔ کچھ تو اباکی السر کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور کچھ پچھلے دنوں گھر میں ہونے والی ٹینشن (انس کی شادی اس کے لیے ٹینشن سے کم نہیں تھی) حدید کا ایکسیڈنٹ اور گھر بھر پہ چھائی سوگواریت۔ اس کا اعصاب ٹھیک ٹھاک جھنجنا گئے تھے۔

انس کا اسے چھوڑ کر اس کی کزن کو پسند کر لینا وہ زخم تھا جو طویل عرصہ حیات تک ہرا ہی رہتا تھا بلکہ شاید زندگی بھر۔ اس پر کھرنڈ آ بھی جاتا تو پانی میں جمی کائی کی طرح جو ذرا سا کھرچنے پر اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہے اور ہوتی بھی سبز ہے۔

بجھے ہوئے دل کو بہلانے کا ایک ہی راستہ شبو کی صورت اس نے اپنی زندگی میں خود ہی ڈھونڈا تھا۔

بعض اوقات انسان اپنے آپ کو فریب دینے کے لیے کسی بھی ایسے راستے کا از خود انتخاب کر لیتا ہے جس کی انتہا کسی سراب کی سچائی سے زیادہ نہیں ہوتی اور سراب کی سچائی مایوسی اور ناامیدی کی سرحدوں سے جا کے ملتی ہے یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے۔

مگر وہ بھول گئی تھی۔

شبیر حسن عرف شبو کی عمر اس کی شخصیت، جس میں سب کچھ نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا نکلا ہوا پیٹ بھی مگر اس کی ہوس بھری آنکھیں اس نے کس طرح نظر انداز کی تھیں۔ یہ وہ خود ہی جانتی تھی یا پھر وہی خود فریبی۔ مرد کی نظریں ایک نظر میں پہچان لینے والی خالص نسوانی حس رکھنے کے باوجود بھی۔

اس کا اس سے کیا رشتہ تھا جو وہ ابا کو دکھانے کے بہانے اس سے ملنے چلی آتی تھی۔ اس تعلق کو کوئی شریف آدمی کیا نام دیتا۔ دنیا والے اس کا قصہ زبان زد عام ہو جانے کے بعد اسے کن نظروں سے دیکھتے یا اسپتال کا وہ اسٹاف جو شبو اور اس کے تعلق سے واقف ہے۔ اسے کن نظروں سے دیکھتا ہے۔ اسے ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہ تھا کہ بیمار باپ کی بیماری کو بہانہ بنا کر وہ کتنی گری ہوئی حرکت کر رہی ہے۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ اس کا انتظار کرتا ہے اسے سراہتا ہے اور اہمیت دیتا ہے۔ بس۔

پیشانی سے پسینہ صاف کر کے اس نے کوریڈور کی سمت قدم بڑھا دیے۔
آج کاؤنٹر پر کوئی اور بیٹھا تھا۔ بے حد مصروف' جلدی جلدی مریضوں کے نام اور نمبر لکھ کر ٹوکن پکڑاتا۔ وہ متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی لائن میں لگ گئی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کس سے پوچھے اور کیسے باری آنے پر اس نے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔ "وہ... وہ جو صاحب یہاں بیٹھے ہوتے ہیں۔" تھوک نگل کر اس نے خشک حلق کو تر کیا۔
"وہ ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر گئے ہیں۔"
"اوہ۔" اس پر اوس سی گر گئی۔ باقی کا سارا وقت ایک غیر معمولی خاموشی اور اداسی اس کے وجود پر چھائی رہی۔



"سوہا یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے۔" امی کا لہجہ بہت سخت تھا۔ ایک لمحے کو تو وہ گھبرا ہی گئی۔
"کیا امی!"
"مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔ میں خوب سمجھ رہی ہوں تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی۔ سارے خاندان میں تماشا بن رہا ہے۔"
"کیوں خاندان والوں کو اور کوئی کام نہیں ہے کیا۔" وہ ناگواری سے بولی۔
"بکواس مت کرو۔ پہلے دن انس رکنے کے لیے آیا۔ تم نے اسے رکنے نہیں دیا اس وقت تو میں چپ رہی' لیکن اب پورا ہفتہ گزر چکا ہے تم آخر جاتی کیوں نہیں اس کے ساتھ۔"
"وہ آئیں گے تو میں جاؤں گی نا۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔
"تم بلاؤ گی تو وہ آئے گا نا۔" سوہا چپ رہی۔ اسے ماں سے رو بدو اتنے سوال جواب کرنے کی عادت نہیں تھی۔
"ماہا۔ فون بلاؤ اپنا۔" انہوں نے کڑک دار آواز میں ماہا کو آواز دی۔ وہ فون لے کر دوڑی دوڑی آئی۔
"تو ابھی فون کرو اور بلاؤ اسے۔"
"میں نہیں بلاؤں گی۔" اس کے شانت لہجے میں انگارے سلگنے لگے۔ امی فون اس کی طرف بڑھائے کھڑی تھیں۔ وہ پلٹ کر باہر نکل گئی۔
"سوہا۔" امی نے غصے سے اسے پکارا' مگر وہ رکی نہیں۔ ماہا کے پیروں سے جان نکلنے لگی۔ کیوں کہ امی بہت تیزی سے اس کے پیچھے جا رہی تھیں۔



وہ حدید کے پاس بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"کب چلنا ہے ہمیں۔" حدید نے دوبارہ اس سے پوچھا۔
اس کی آواز میں نقاہت تھی اور چہرے پر زردی۔ ایک ٹانگ پر پلستر چڑھا تھا چہرے پر خراش' سر اور ہاتھ پر پٹیاں مگر اب اتنا ہو گیا تھا کہ وہ بغیر سہارے کے اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے لگا تھا۔
عفت' نائلہ' خالہ جان' ماہا اور انس کی ساس کئی بار اس کی خیریت پوچھنے آچکی تھیں۔ یہاں اس نے سوہا کو کبھی اسپتال میں نہیں دیکھا تھا مگر اسے کوئی تعجب نہیں تھا۔ بہت ممکن تھا وہ اپنے ولیمے کی وجہ سے شرماتی ہو لیکن آج انس جس سنجیدگی سے سوچ میں ڈوبا اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا جب سے وہ حدید کے پاس آیا تھا مستقل کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ کسی بھی بات کا ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہیں دیا تھا اور اب وہ دوبارہ اس سے پوچھ چکا تھا کہ کب ڈسچارج ہوں گے مگر وہ ہنوز سوچ میں گم تھا۔

"انس!" اب کی بار اس نے دانستہ ذرا زور سے پکارا تھا۔ وہ چونک گیا۔

"تم پریشان ہو۔" لمبی چوڑی تمہید باندھنا فضول ہی تھا۔ اس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی۔

"نہیں۔" جواب اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"اچھا! الگ تو رہے ہو۔"

"ہاں وہ گھر خالی پڑا ہے تو۔"

"سبا کہاں ہے۔"

"اپنے گھر چلی گئی ہے۔" انس کچھ بھی جتاتا سمیٹے اٹھ گیا۔ انداز کہہ رہا تھا وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ حدید سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ماہا امی کو سبا کے پیچھے جاتے دیکھ کر ڈر سی گئی۔ اس نے دوڑ کر کمرے کے دروازے پر ہی امی کو جا لیا۔

"امی! امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیوں اس سے ضد لگا رہی ہیں۔"

"میں ضد لگا رہی ہوں۔ میں؟ اور یہ جو بے ہودہ حرکتیں کرتی پھر رہی ہے۔" امی کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ سبا کے کانوں تک پہنچ گئی۔ برابر والے کمرے میں سبا زور زور سے رونے لگی تھی۔

"مجھے نہیں جانا اس ویران گھر میں اکیلے مرنے کے لیے جس کو جانا ہے شوق سے جائے۔" ماہا نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا ہوا لگ رہا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا یہ۔" امی پلٹ کر واپس بستر پر آ بیٹھیں۔

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں۔ جس طرح میں نے تین دن مسلسل کسی قید کی طرح کاٹے ہیں وہاں۔ میری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔" وہ اب بھی وہیں سے زور سے بول رہی تھی۔ امی نے نا سمجھی سے ماہا کو دیکھا۔ وہ بے چارگی سے گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"ہم لوگوں نے آپ سے ایک بات چھپائی ہے امی!" اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"حدید بھائی کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اور سب کی طرح سبا بھی بہت اپ سیٹ ہے۔ دراصل شادی والی رات انس بھائی۔ حدید بھائی کے پاس ہی رک گئے تھے۔ وہ سبا کے پاس آ سکے ہی نہیں۔"

"جب تو خیر حدید بھائی کی حالت بہت نازک تھی مگر وہ دوسری رات اور دوسرا پورا دن اسپتال میں رہے اور سبا اکیلی گھر پر۔ امی نے تیسرے دن جب فون کر کے صبح مجھے گھر پر بلایا تھا تو وہ اس وقت تک تنہائی اور اکیلے پن سے بہت گھبرا گئی تھی۔" ماہا نے بات مکمل کر کے سر جھکا لیا۔

"تو یہ اس بات کی ناراضی ہے۔" امی کی پر سوچ آواز بہت دیر میں گونجی تھی۔

☆ ☆ ☆

حدید کو گھر آئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے جب حسیب اپنی بڑی بہن کے ہمراہ اسے دیکھنے چلا آیا۔ مقصد یقیناً حدید کی احوال پرسی ہی تھا۔ حسیب کی بہن انس کی بیگم اور سسرال والوں سے مل چکی تھیں وہ سبا اور باقی گھر والوں کی تعریف کرنے لگیں۔

"بھئی میں تو بہت خوش ہوئی سب سے مل کر، ماشاءاللہ بہت اچھی فیملی ہے۔"

"شکریہ مجھے بھی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"حدید کی عیادت کے لیے تو آنا ہی تھا۔ میں دراصل ایک اور کام کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔" انس ان کے غیر

معمولی لہجے پر چونک سا گیا۔ حسیب کوئی کال اٹینڈ کرنے ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ صارم اپنے گھر جا چکا تھا۔ ڈرائنگ روم میں فی الحال صرف وہی دونوں تھے۔

"جی جی آپ کہیں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر میں آپ کے کسی کام آسکوں۔" انس اور کرتا بھی کیا۔

"دیکھیے میرے لیے تو آپ اور حسیب ایک جیسے ہی ہیں۔" انہوں نے بہت سبھاؤ سے بات شروع کی تھی۔

☆ ☆ ☆

انس کا فون آیا تھا۔ وہ سہا کے ساتھ عفت کو بھی لینے آرہا تھا۔ نائلہ بہت چبھتی ہوئی نظروں سے عفت کو اپنا سوٹ پریس کرتے دیکھتی رہی۔ اصل میں تو انس نے اسی کو آنے کے لیے کہا تھا، لیکن اس نے کسی کام کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ نتیجتاً عفت کو ہامی بھرنی پڑی۔

عفت خوش تو تھی۔ اسے ایک طرح سے حدید کی قربت میسر آرہی تھی، مگر دل میں کہیں نائلہ کی بات کے زیر اثر ہلکا سا افسوس بھی تھا۔

"شاید نائلہ ٹھیک کہتی ہے کہ وہ دونوں بھائی ہمیں کام کے وقت ہی یاد کرتے ہیں۔" دل میں اٹھتے خیال کو وہ جان کر بھی دبا نہیں پا رہی تھی۔

"کیا اتنا ضروری ہے تمہارا وہاں جانا۔ سہا بھی تو ہے۔" نائلہ جھنجلا کر بولی۔

"اس کے اسکول کا مسئلہ ہے۔ چھٹیاں نہیں مل سکتیں۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"تو وہیں سے چلی جاتی اسکول۔"

"اسکول جائے کی یا گھر دیکھے گی۔ خیر اماں نے بول دیا ہے اب تو۔"

"یہ اماں بھی نا۔ مجال ہے جو بیٹیوں کی قدر کروانی آجائے ذرا بھی۔" عفت دھیرے سے ہنس دی۔

"انسان کی قدر اس کے کاموں سے ہی ہوتی ہے۔"

"جب ہی تمہیں نیک پروین بننے کا اتنا شوق ہے، مگر یاد رکھنا یہ خدمتیں کام نہیں آئیں گی جنہیں جیتنا ہوتا ہے وہ اور ہی چکر چلاتے ہیں۔ سب سے بالا ہی بالا۔" نائلہ اٹھ کے چلی گئی، مگر اس کے لیے سوچ کے نئے در وا کر گئی۔

☆ ☆ ☆

انس نے آکر سب سے پہلی بات ماما کے لیے حسیب کے رشتے کی کی تھی اور امی نے سہا کو ساتھ لے جانے کی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں آنٹی۔ سہا جب چاہے ساتھ چلے۔"

"نہیں وہ چاہے یا نہ چاہے۔ تم شوہر ہو اب اس کے۔ زبردستی لے جاؤ۔" امی کا انداز قطعی تھا۔ انس ہنس دیا۔

"زبردستی تو میں کبھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا آنٹی۔"

"اچھی بات ہے کرنی بھی نہیں چاہیے، مگر کچھ جگہوں پر بغیر زبردستی بات نہیں بنتی۔"

"چلیں اچھا۔ پھر بتائیں میں مزنہ باجی سے کیا کہوں؟"

"میں کیا بتاؤں۔ لڑکا تمہارا دوست ہے۔ دیکھا بھالا ہے۔ اگر نیک شریف ہے تو....."

"صرف نیک شریف ہی نہیں خاندانی بھی ہے اور بہت تمیزدار اور مہذب بھی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ پھر کہہ دو انہیں۔ ہمیں اعتراض نہیں۔ ان کا اپنا گھر ہے۔ جب جی چاہے آجائیں۔" ملما نے چائے لا کر انس کے سامنے رکھی۔ اس نے شرارت سے ایک چپت اس کے سر پر لگا دی۔ وہ جھینپ کر باہر نکل گئی۔

"اچھا تو اس لیے اس دن اتنا گھور رہے تھے۔"

کچن میں جا کر اس نے سہا کی شادی سے ایک دن پہلے کا منظر یاد کیا۔ جب اور اس نے ایک دوسرے کو پہلی بار دیکھا تھا اور پھر حسیب نے بار بار دیکھا تھا۔ اسے بلاوجہ ہنسی آنے لگی۔

"دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک ہی تھے موصوف۔"

خیال کی ڈور مزید لمبی ہوتی مگر باہر سے انس کی آواز آئی۔ اس نے کچن سے جھانکا۔ سہا بھی منہ پھلائے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

ماما نے جا کے اسے گلے سے لگالیا۔ سیڑھیاں اترتے وقت اس نے غور سے سہا کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

"پاگل ہے بالکل ہی۔" وہ اس کو دیکھ کر مسکرا دی۔

فی الحال صرف انس اور سہا ہی گھر جا رہے تھے کیوں کہ فی الحال عفت نے ساتھ جانے سے معذرت کرلی۔ ابا کو معمولی سا بخار تھا۔ اس بات کو وجہ بنا کر نائلہ نے عفت کو روکا تھا۔ گاڑی میں جو انس، عفت کو لانے کی وجہ سے دوست سے مانگ کر لایا تھا مکمل خاموشی تھی۔ انس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنے ناخن کھرچتی رہی۔

گاڑی میں انس کے لگائے ہوئے پرفیوم کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ سہا کے حواس بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی مخمور ہو جاتے تھے۔ گاڑی سگنل پر رکی تو انس نے گجرے خرید کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے بھی بلا حیل و حجت لے کر ہاتھ میں ڈال لیے۔

"میرا خیال ہے۔ تمہاری طرف کا ڈور ٹھیک سے بند نہیں ہے۔" وہ آگے جھک کر اس کی طرف کا دروازہ کھول کر دوبارہ سے لاک کر رہا تھا۔ چند لمحوں کی اس قربت نے سہا کو سمٹا سا دیا تھا۔ وہ جھجکی جھجکی نظروں سے انس کو دیکھ کر رہ گئی۔

بظاہر وہ جتنی بھی ناراضی اور غصہ دکھاتی مگر دل نے تو ابھی ابھی محبت کی نوخیز داستان پر دھڑکنا سیکھا تھا۔ دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ ہمک ہمک کر اس کے سراپے میں الجھ رہا تھا۔ اس کے سلیقے سے جمے ہوئے بال گھرے روئیں والی سنہری کلائیاں اور مضبوط ہاتھوں کی انگلیوں کا معمولی سا ردھم۔

کوئی ایک بھی چیز تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھی۔ گھر آچکا تھا۔ انس نے گاڑی روک دی۔ وہ سامنے ہی دیکھتا رہا۔ سہا کے چور انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"پوسٹ مارٹم کرلیا ہو تو گھر کے اندر چلے چلیں۔" سوچوں کا تسلسل ٹوٹا اور وہ خجل سی ہو کر گاڑی سے اتر آئی۔

حدید سو چکا تھا۔

وہ سیدھی کمرے میں چلی آئی۔ کھانا امی کے یہاں ہی کھالیا تھا لہٰذا فی الحال کوئی کام نہیں تھا۔ کمرے کی سجاوٹ کے لیے لگائے پھول صاف کردیے گئے تھے۔ کمرہ کھلا اور روشن لگ رہا تھا۔ انس بھی اس کے پیچھے ہی آیا تھا۔

"آج امی کے یہاں حسیب سے کیا بات ہوئی۔" سہا کی دیکھا دیکھی وہ بھی ساس کو امی کہنے لگا تھا۔

"نہیں۔" وہ چینج کر کے ریلیکس ہو چکی تھی۔ تب اس نے بات چھیڑی۔

"میرا ایک دوست ہے حسیب۔ ماہا کے لیے پرپوزل دیا ہے اس نے۔"

"اچھا۔" لوشن لگاتے اس کے ہاتھ ذرا کی ذرا تھم گئے۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔"

"ایک خوش خبری اور بھی ہے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے انس کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سہا نے ترنت نگاہیں پھیریں۔ اسے اپنی خود ساختہ ناراضی کا پہاڑ زمین بوس ہوتا لگ رہا تھا۔

"میری پروموشن ہونے والی ہے۔"

"یہ بھی اچھی خبر ہے۔" وہ دھیرے سے ہنس دی۔ انس تکیہ سیدھا کرکے لیٹ گیا۔

"ایک خوش خبری اور بھی ہے۔"

سہا ایکسائٹمنٹ کے مارے کھڑی ہو کر بے ساختہ اس کی جانب مڑی۔

"وہ کیا؟"

"پہلے یہاں آؤ میرے پاس پھر بتاؤں گا۔"

اس کی آواز دھیمی اور گمبھیر ہو گئی اور کمرے کا ماحول بھی۔ سہا کی پلکیں بھی بوجھل ہو گئیں اور قدم بھی۔ وہ گومگو سی کھڑی تھی۔ انس نے کوئی کپڑا اس کی طرف اچھالا۔ اس نے بوکھلا کر جلدی سے سنبھالا۔ وہ اس کی شرٹ تھی۔ جس میں سے پرفیوم کی مسحور کن خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"اسے ہینگ کر دو۔" وہ کہنی کے بل ذرا سا اٹھ کر پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سہا کو لگا وہ زندگی بھر اس سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔

✲ ✲ ✲

صبح صبح عفت آ چکی تھی۔ آتے ہی اس نے پورے گھر کی صفائی کی۔ انس اور سہا ابھی سو رہے تھے۔ حدید اٹھ چکا تھا۔ اس نے اسے ناشتا بنا کر دیا۔ پھر دونوں کے کئی دن کے میلے کپڑے جمع کر کے مشین لگائی۔

"انس کو جگا دو آج اسے آفس جانا ہے۔" اس نے کسی کام سے حدید کے کمرے کا چکر لگایا تو وہ بولا۔

انہیں اٹھانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ جب عفت آئی تھی تو انس نے ہی سوتے میں سے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اور واپس اوپر چلا گیا تھا۔

"حدید نے کہا ہے کہ آپ کو آفس جانا ہے آج۔"

"ہوں۔۔۔ آتا ہوں۔" وہ لمبی سی جمائی لے کر بولا۔

"میں ناشتا لگا رہی ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی پلٹ گئی۔

سہا نہا کر نکلی تو انس بیڈ پر لیٹا اسی کا منتظر تھا۔ وہ ایک نظر اس پر ڈال کر گیلے بال سلجھانے لگی۔

"سہا!" اس نے تکیے میں منہ گھسیڑ کر اسے آواز دی۔

"جی۔" سہا نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ منہ دوسری طرف موڑے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔

"اٹھ جائیں۔ آفس سے دیر ہو جائے گی۔" اس کا ہاتھ بے جان انداز میں بیڈ پر گر گیا۔ سہا کی ہنسی نکل گئی۔

انس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر خود بھی مسکرا دیا۔

ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا لگائے عفت ان دونوں کے ہی انتظار میں تھی۔ آج اس نے ناشتے میں اہتمام کر لیا تھا۔ آملیٹ اور پراٹھے تو گھر پر بنائے ہی تھے مگر حدید سے ضد کر کے زبردستی خود جا کر قریبی مارکیٹ سے حلوہ پوری بھی لے آئی تھی۔

وہ دونوں سیڑھیوں سے ہنستے مسکراتے اترے۔ عفت نے دیکھا۔ کتنا مکمل اور بھرپور منظر تھا۔

یہ منظر یونہی اسی طرح پیش ہونا تھا مگر درمیان میں چند پریشان کن دن آ جانے کی وجہ سے یہ منظر تھوڑا لیٹ ہو گیا تھا مگر خدا کا شکر تھا کہ وہ دن بھی گزر گئے۔ اس نے دل ہی دل میں دونوں کی نظر اتاری۔

"آہا۔۔۔ حلوہ پوری کون لے آیا۔" انس ناشتا دیکھ کر خوش ہو گیا۔

"میں خود لائی ہوں۔" عفت نے فخریہ انداز میں جتایا۔

"چلو خیر آج تو لے آئیں' مگر آئندہ یہ تکلیف مت کرنا۔ خاص طور پر حلوہ پوری کے لیے۔" انس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔
"کیوں۔ کیا بات ہو گئی۔"
"حلوہ پوری پر مردوں کا رش ہوتا ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہے۔" جواب انس کے بجائے حدید کی طرف سے آیا تھا۔
"اوہ اچھا۔ میں تو سمجھی پتا نہیں کیا ہو گیا۔ یہ تو خیر مجھے بھی پتا ہے' مگر آج وہاں بالکل رش نہیں تھا۔ آج چھٹی نہیں ہے نا اس لیے۔ سوچا ہم یہ ترکاری لوٹا۔" وہ بہت محبت اور بے فکری سے ان دونوں کو ناشتا کروا رہی تھی۔ حدید دیکھ کر مسکرا دیا۔



آج صبح ہی صبح وہ دوا لے کر ابا کے سر پر کھڑی تھی۔
"خیر تو ہے اس وقت دوا کی کیا ضرورت۔"
"وہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ کھلا کر لانا تو کوئی ٹیسٹ وغیرہ کریں گے شاید۔" اس کا لہجہ ایک دم چور سا تھا۔ ابا کو زیادہ حجت کی عادت نہیں تھی۔ اماں اور عفت کچن میں تھیں۔ اس نے بہت آرام سے اپنا مقصد حاصل کیا اور اس کی خواہش کے عین مطابق جب وہ لوگ اسپتال پہنچے تو ابا نیند سے میں جھوم رہے تھے۔ سنگی بینچ کی ٹھنڈک ملتے ہی بیٹھنے کے بجائے لیٹ گئے۔
"پتا نہیں آج کیوں اس قدر نیند آ رہی ہے۔" ابا کو خود بھی تعجب تھا۔ ان کے چہرے کو غور سے دیکھتی نائلہ گڑبڑا سی گئی۔
"سونا نہیں ابا میں نمبر لے کر ابھی آتی ہوں۔" وہ جلدی سے کہہ کر راہداری کی طرف مڑ گئی۔
شبیر حسین عرف شبو نے دور سے ہی اسے آتا دیکھا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"کہاں چلے شبو بھائی۔ آج بڑی جلدی اٹھ رہے ہو۔" اس نے مڑ کر ساتھ بیٹھے بندے کی طرف دیکھا اور خباثت سے مسکرا دیا۔
"آج ذرا اسپیشل ملاقات ہے یار۔" اس نے قمیص کی داہنی طرف والی جیب سے پان کا بیڑا نکال کر کلے میں دبایا اور بالوں سے انگلیاں پونچھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ نائلہ نے دور سے ہی اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
"ابا کدھر ہے؟" قریب جا کر سلام دعا کے بعد اس نے ذرا احتیاط سے پوچھا۔
"ادھر بینچ پر۔" نائلہ بے زاری سے اس کے پان سے رنگے دانتوں کو دیکھ رہی تھی۔
"دوا کھلا دی تھی۔"
"ہوں۔ پر تم نے دوا دی کیوں تھی۔" موسم میں حدت بڑھ رہی تھی۔ نائلہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شبو کو بے اختیار اس پر پیار آیا۔ اس نے کسی کمینی خواہش کو دل میں بمشکل دبایا۔
"چل میرے ساتھ۔ ابھی بتاتا ہوں کیا سب۔" وہ بڑی اپنائیت اور محبت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ تھام ہاسپٹل کے بڑے سارے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ نائلہ کو ملو سی کھینچی چلی جا رہی تھی۔
یہ ایک قدرے گمنام سا ریسٹورنٹ تھا۔ لیکن کی کالی چادر کا نقاب چہرے پر ڈالے وہ شبو کے ہاتھ میں ہاتھ دیے اس اندھیرے غار جیسے ہال کرے میں آئی تھی۔ جہاں دور دور کہیں پر دیومالائی کہانیوں کے دیوتاؤں کے مسکن جیسی شعلوں کی مانند زیرو پاور کے بلب روشن تھے۔ جن سے اتنی ہی روشنی نکل رہی تھی کہ بس آتے جاتے لوگوں کے سائے محسوس کر کے ان سے ٹکرانے سے بچا جائے۔ باہر کی تیز روشنی کے بعد اندر آنے کی وجہ سے اسے

کچھ بھائی نہیں دیا۔ اس نے گھبرا کر دوسرے ہاتھ سے شبو کا بازو ٹٹولا۔ شبو نے اپنے ہاتھ کی گرفت میں اس کا نرم ہاتھ دبایا۔

"او میں ہی ہوں یہ۔ گھبرا کیوں رہی ہو۔" اسے ان کی آواز سن کر تسلی ہوئی۔ ذرا دیر کے بعد وہ اسے تین اطراف سے بند ایک کیبن میں لا کے بٹھا چکا تھا۔

نائلہ نے فوراً" نقاب اتار کر دو تین گہرے سانس لے کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ اندر کے ماحول میں باہر کی نسبت کافی خنکی سی تھی۔ باتیں کرنے کی معمول کی بھنبھناہٹ اور چمچوں اور کانچ کی پلیٹوں کا مدھم سا ترنم۔ کیبن کے اندر ایک ہی سیٹ تھی جس میں دو افراد کے آرام سے بیٹھنے کے بعد تیسرے کی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ سامنے میز تھی اور بس۔ اتنا چوزے کے ڈربے جیسا نیم روشن بند کیبن دیکھ کر نائلہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوا۔

"یہ کہاں لے آئے ہو تم مجھے۔"

"کیوں کیا ہوا۔" وہ بہت آرام سے نائلہ سے جڑ کر بیٹھ گیا۔ نائلہ نے پرے کھسکنے کی کوشش میں ناکام ہوتے ہوئے سخت بے بسی محسوس کی۔

"دیکھو کتنی سکون کی جگہ ہے۔ وہ محبت کرنے والوں کے لیے۔" اس نے سترکی دہائی کا گھسا پٹا ڈائیلاگ بولا' مگر نائلہ سن کر ٹھٹک گئی۔

"محبت کرنے والوں کے لیے۔ تو کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

"لے تو کیا ایویں تجھے لے کے آیا ہوں ادھر۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔

"سچ بول رہے ہو۔" اس کی آواز میں عجیب سا احساس تھا۔

"نہیں جھوٹ۔ تجھے ہوا کیا ہے۔" اس نے بڑے بھونڈے انداز میں اپنائیت جتائی۔

"جھلی نہ ہو تو۔ چل بول کیا کھائے گی۔" اس نے بٹوہ نکال کر دو کڑکتے نوٹ برآمد کیے۔

"جو دل چاہے منگوا لو۔ میں کوئی کھانے پینے نہیں آئی ہوں ادھر۔" وہ اپنے دھیان میں کہہ گئی۔ پھر شبو کے چہرے پر نظر پڑی تو جھجک سی گئی۔

"ٹھیک کہتی اے تکیہ۔ کتنے ملتے جلتے خیالات ہیں ہمارے۔ میں بھی یہاں کھانے پینے نہیں آیا۔" وہ نائلہ سے کچھ اور چپک گیا۔ اس کے منہ سے اٹھتا پان کی ناگوار بو کا بھبکا نائلہ کے لیے بہت ناقابل برداشت تھا۔ اس نے منہ پر پلو رکھ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"کہا بھی ہے کہ مجھ سے ملنے آؤ تو پان کی لت چھوڑ کر آیا کرو۔"

"لت اگر چھوڑی جا سکتی تو لت کیوں کہلاتی جیسے تیری لت لگ گئی ہے مجھے اتنی آسانی سے کہاں چھوٹے گی۔" وہ بڑی محبت سے نائلہ کے گرد اپنا جال بن رہا تھا۔ نائلہ اس کی قربت سے محسوس ہوتے جھجک اور ناگواری کے احساس کو دبا کر اس کی محبتوں کی شدتیں سننے لگی۔

☆ ☆ ☆

عفت نے گھر کا انتظام بخوبی سنبھال لیا تھا۔ وہ بہت تیزی اور سہولت سے دن بھر کے کام نمٹا کر کبھی حدید کے کمرے میں تو کبھی لاؤنج میں ٹی وی کے آگے وقت گزارتی۔ سہا بھی اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی مگر عفت اسے فی الحال کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دے رہی تھی۔ بقول اس کے۔ "یہی چند دن آرام اور چین سکون کے ہوتے ہیں۔ انس کے ساتھ گھومو پھرو۔ آرام کرو۔ پھر گھر گرہستی تو ساری زندگی سنبھالنی ہی ہے۔"

گھومنے پھرنے والی بات پر سوہا کبھی تو ہنس دیتی اور کبھی ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتی۔ انس کے پروموشن کے سلسلے میں اسے لگاتار اور زیادہ محنت سے کام کرنا پڑ رہا تھا۔ آفس سے لی گئی شادی کی چھٹیاں بھی حدید کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے نکل گئیں اور اس نے چھٹیاں لی بھی کم ہی تھیں۔ اب نہ تو اتنی جلدی دوبارہ مل سکتی تھیں۔ نہ وہ یونہی بغیر بتائے آفس سے چھٹی کر سکتا تھا۔

شادی کے شروع کے دن بہت جلدی روز مرہ کے معمولات میں ڈھل چکے تھے۔ بس ایک عفت ہی تھی جس نے سوہا کو ابھی تک دلہناپے سے باہر نکلنے نہیں دیا تھا۔ ورنہ اگر وہ نہ آئی ہوتی تو شاید سوہا اپنا نیا نویلا روپ چھوڑ کر گھر کے کاموں میں خود کو مصروف کر چکی ہوتی۔

وہ خود بھی دل ہی دل میں اس سب کے لیے عفت کی شکر گزار تھی مگر کب تک۔ عفت کو بھی چند دن گزار کر گھر واپس جانا ہی تھا اور اس کی واپسی شاید سب سے زیادہ حدید پر اثر انداز ہونے والی تھی۔ جس روز عفت کی واپسی تھی۔ اسی روز حدید ہی کی خواہش پر وہ تینوں اسے چھوڑنے گھر آئے۔

عفت اس اہمیت اور محبت پر نہال ہوتی رہی۔ اس روز عفت کی موجودگی میں سوہا نے بریانی اور کھیر بنائی اور گھر روانہ ہوتے سے وہ بڑے دیگچے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ امی، چچی جان، ماما، نائلہ اور وہ چاروں۔ محفل کا رنگ خوب ہی جما۔ ڈھیر ساری باتیں، ہنسی مذاق اور سوہا کے ہاتھ کا مزے دار کھانا۔ گو کہ اہتمام ماما نے بھی کر رکھا تھا مگر سوہا نے چونکہ شادی کے بعد پہلی بار پکایا تھا۔ اس لیے اسے بطور خاص سب ہی نے اہمیت دی۔

سوہا کے لبوں سے ہنسی پھوٹ پھوٹ پڑتی تھی۔ امی دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیتی رہیں۔



ایک بھرپور شام گزار کر وہ کمرے کی تنہائی کے روبرو تھا۔ اس کمرے میں اس نے زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا تھا۔ طرح طرح کا فرنیچر اور سیٹنگ دیکھی تھی۔ متعدد بار ہنسا تھا، رویا تھا۔ ناچا تھا۔ لڑکھڑایا اور گرا بھی تھا۔

یہ کمرہ ہی اس کی یادوں کا بہترین مسکن تھا۔ اس سے پہلے یہ کمرہ ابو کے پاس تھا۔ اس لیے ان کے انتقال کے بعد اس نے خاص طور پر یہ کمرہ اپنے لیے سیٹ کروایا تھا۔ آج سے پہلے اس نے اس کمرے کے بارے میں کبھی ایسے نہیں سوچا تھا، مگر آج شاید کچھ خاص بات تھی۔ کچھ ہٹ کے۔ یہ کمرہ اور اس کی تنہائی۔ آج کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے بستر پر لیٹے لیٹے بے چینی محسوس کر کے دھیرے سے کروٹ لی۔ شاید اپنی بے بسی کے احساس نے شدید ہو کر ان سوچوں کو جنم دیا تھا۔ بہت دیر تک وہ شام میں ہونے والی باتیں یاد کرتا رہا۔ سوہا، ماما، انس کا ہنسی مذاق اور عفت کی باتیں۔

"ہاں عفت!" وہ کسی گہرے دھیان سے چونکا۔ "کیا میں عفت کو مس کر رہا ہوں۔"

سوال عجیب تھا۔ اسے خود سے یہ سوال کرتے ہوئے حیرانی ہوئی اور جواب اور حیران کن تھا۔

"کیا واقعی۔" اس نے ایک بار پھر خود سے پوچھا۔

"ہاں شاید مجھے اس کمرے میں تمہارے رہنے کی عادت نہیں رہی۔" اس کی نظروں کے سامنے کسی کا وجود چلنے پھرنے لگا۔ کھڑکی کے پاس ڈسٹنگ کرتے ہوئے کمرے کا نیم وا دروازہ اور اس سے نمودار ہوتا ایک مسکان بھرا پرخلوص چہرہ وہ گفتگو کرتی ہوئی خاموشی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو کے نیچے کسی کے شانوں کے لمس اور پھر۔ کانچ کی چوڑیوں کی بہت دھیمی مدھم کھنک۔ اس نے تیزی سے کروٹ بدلنی چاہی۔ زخم کھائے ہوئے پیر میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔

"اف!" وہ بے اختیار کراہا۔ خشک حلق کو تھوک نگل کر تر کرنے کی ناکام کوشش سے ہار کر اس نے خالی سائیڈ

نیمل کو دیکھا۔ انس اور سہا آتے ہی سیدھے کمرے میں چلے گئے تھے۔ اسے خود پانی رکھنا یاد نہیں رہا تھا اور اب وہ اتنی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا کہ اٹھ کر کچن تک جاتا۔ کسی سہانے چہرے کی غیر موجودگی نے اس کے تھکن میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ خشک لبوں سے ٹوٹ کر ایک نام نکلا تھا۔

"عفت!"



امی نے انس کی معلومات اور اطمینان پر بھروسہ کر کے حسیب کی بڑی بہن کو ہاں کہلوادی تھی۔ مزنہ باجی اور امی کا مشترکہ خیال تھا کہ ولیمے کی تقریب میں ہی ان کی منگنی کی رسم بھی ادا کر دی جائے تاکہ تمام خاندان کو پتا بھی چل جائے۔

یوں سہا اور انس کا ولیمہ اپنی مقررہ تاریخ سے دور نکل جانے کے باوجود بہت خاص ہو گیا۔ انس نے دوبارہ سے عفت، نائلہ اور سہا کو شاپنگ کروائی۔ سہا کے ولیمے کا سوٹ بری میں لیا جا چکا تھا۔ لیکن انس کا پورا ہفتہ بے حد مصروف اور بھاگ دوڑ میں گزرا۔ حدید ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بستر کا ہو کر رہ گیا تھا اور ہر کام اور ارینجمنٹ کے لیے انس کو بھاگنا پڑا۔

صارم نے بھی حدید کے ہاسپٹلائز ہونے کی وجہ سے آفس سے چھٹیاں لی تھیں۔ سو اسے بھی مزید چھٹیاں نہ مل سکیں۔ انس کبھی دیر سے آفس جاتا کبھی ہاف ڈے کرتا تو کبھی شارٹ لیو کر کے ہوئے کام نمٹاتا۔ اتنی افراتفری اور ہنگامہ خیز صورت حال کے باوجود تھکن اور بے زاری کا نام و نشان تک نہ تھا۔

حدید رات کے کھانے پر ان دونوں کے ساتھ ہوتا۔ انس پابندی سے اسے دن بھر کی تفصیلات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے سنے جاتا۔ جتنے کام اور الوٹمنٹس سیل فون سے نمٹائے جا سکتے تھے وہ سب حدید کے ذمے تھے۔ اب وہ خود سے اٹھ کر تھوڑا چل پھر بھی لیتا تھا حالانکہ سب ہی اسے احتیاط کرنے کو کہتے تھے مگر وہ کب تک کسی کے آسرے پر رہتا۔ کبھی نہ کبھی تو خود سے کرنا ہی تھا۔

ایسے ہی ایک دن جب وہ رات کا کھانا کھا کر اٹھے ہی تھے۔ سہا کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچن بھی صاف کر رہی تھی کہ امی کا فون آگیا۔ رسمی سلام دعا اور خیر خیریت سے فارغ ہو کے انہوں نے انس سے بات کرنے کے لیے کہا۔ سہا نے انس کو فون دے دیا مگر خود الجھ سی گئی۔ امی کی آواز اور لہجہ غیر معمولی سنجیدہ لگ رہا تھا۔ انس فون لے کر کچن سے باہر جا چکا تھا۔ وہ سن نہیں سکی کہ اس نے کیا بات کی۔



وہ اپنے بال بکھرائے بڑی دلجمعی سے تیل رگڑنے میں مگن تھی۔ اس نے دو تین بار عفت پر نظر ڈال کر کچھ کہنا چاہا مگر وہ کوئی فضول سی کتاب سامنے رکھے جانے کس جہان کی سیر کو نکلی ہوئی تھی۔

"عفت واپس آجاؤ اب۔" اس نے اپنے بال سمیٹے۔

"ہوں۔ کہاں سے واپس آجاؤں۔" وہ چونک کر سنبھلی۔

"جہاں سے ابھی تک واپس نہیں آئیں یا شاید خود تو آگئی ہو مگر دل و دماغ وہیں رہ گیا ہے۔" عفت بات سمجھ کر دھیرے سے ہنس دی۔ اس نے چولہے کے نل کس کے ریمپیئر چڑھایا اس کے سامنے آگئی۔

"نائلہ تم نہیں سدھرو گی۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ۔" معاً اسے کچھ خیال آگیا۔

"آج شام کی چائے پر اتنا اہتمام کس لیے تھا۔" نائلہ نے سر جھٹکا۔

"جن کے لیے بھی تھا۔ فضول ہی تھا۔"

"پھر بھی پتا تو چلے۔" وہ ایک بار پھر ہوشیار ہو کے بیٹھ گئی۔ شام میں اسے کسی کام سے بازار جانا پڑا۔ واپسی پر کچن میں رکھے برتنوں کو دیکھ کر وہ نائلہ سے پوچھنے کا سوچ کر خاموش ہو گئی تھی۔ اور نائلہ کے انداز بتا رہے تھے کہ بات کچھ خاص تھی۔

"وہ کونسی والی آنٹی ہیں نا۔ نسیم جہاں۔" نائلہ نے ایک ادا سے ان کا نام لیا۔

"رشتہ لائی تھیں اپنے بھائی کا میرے لیے۔" نائلہ چوٹی کو کمر پر پھینک کر شاخسانہ چھوڑا۔ عفت کا منہ کھل گیا۔

"اور تم یہ بات مجھے اب بتا رہی ہو۔" وہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔

"تو کون سا بہت خاص بات تھی۔"

"خاص تو تھی۔ تمہارے لیے رشتہ آیا بلکہ ہم دونوں بہنوں میں سے کسی کے لیے بھی۔ یہ کوئی عام بات تو نہیں۔" اس کی بات کسی حد تک درست تھی۔

"کوئی خاص بات بھی نہیں۔ وہ بھی اس رشتے میں۔ رنڈوا ہے ان کا بھائی۔ چالیس سال عمر ہے۔ ایک بیوی مر چکی ہے۔ ایک بچی بھی ہے۔" نائلہ کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔

"اماں نے کیا کہا۔"

"یہی تو ساری بات ہے نحوست کی۔ صاف صاف منہ پر انکار مارنے کے بجائے سوچنے کے لیے وقت مانگ لیا۔" طنطنے سے بات کرتی نائلہ کی آواز آخر میں رندھ سی گئی۔

"کیا ہو گیا ہے اماں کو۔" عفت کو بھی برا لگا۔

"ایسی بھی کون سی عمر نکل گئی ہے تمہاری۔"

"ہاں اور نہیں تو کیا۔ سارے جہاں کے رنڈوے اور دوہاجو ہمارے لیے ہی رہ گئے ہیں۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ کمرے کی خاموش فضا میں پنکھے کی گھرر گھرر تک ایک اداسی کی لپیٹ میں آ گئی۔ عفت تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

لاکھ اس کی بن زبان کی تیکھی سہی، لیکن اتنی گئی گزری بھی نہ تھی۔ رنگ گندمی گورا تھا جسامت، قد، شکل صورت سب ہی کچھ "قبول" کے حاشیے میں آسانی سے لکھا جا سکتا تھا۔ مجموعی طور پر وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔

"کیوں کیا اماں نے ایسا؟" وہ نیند سے پلکیں بوجھل ہونے تک یہی سوچ گئی۔



نم ہتھیلیوں کو رگڑ کر اس نے سامنے دیکھا۔ شبو تیز تیز قدم اٹھاتا اسی کی طرف آ رہا تھا۔

"ابا کدھر ہے۔"

"گھر رہی ہے آج تو۔"

"تو تم کیا کہہ کر آئی ہو۔"

"کہنا کیا تھا۔ وہی ایک جیسی دوائیں اور معمول کا معائنہ۔ میں نے ابا سے کہہ دیا میں کیفیت بتا کر دوا لے لوں گی۔ ہر بار تمہارا ساتھ جانا ضروری نہیں۔" وہ بات کے اختتام تک ہنس پڑی۔ شبو نے اس کا ساتھ دیا۔

"بڑی تیز ہوتی جا رہی ہے میری بلبل۔ اپنے ابا کا ہی پتا صاف کر دیا تو نے۔ شاباش ہے بھئی۔" دونوں باتیں کرتے ہوئے یوں باہر نکلے جیسے یہ ان کا روز کا معمول ہو۔

شبو کے ذہن میں پچھلی ملاقات گھوم گئی۔ جب بہت اصرار کے باوجود نائلہ نے اسے ایک ہاتھ پکڑانے کے علاوہ کسی گستاخی کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں بھڑک کر رہ گیا تھا مگر ماتھے پر ایک شکن نہیں آنے دی

تھی۔

"اب یہ کہاں لے آئے مجھے۔ روز روز نئی جگہوں سے پتا ہے دل گھبرا جاتا ہے میرا۔" وہ سامنے کھڑی فلیٹس کی ویران عمارت کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ضروری کام ہے۔ چلو تم بھی چلو۔" وہ بڑے سرسری لہجے میں کہنے لگا۔ پھر اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر کہنے لگا۔

"اعتبار نہیں ہے میرے پر۔ اکیلے کھڑی ہو جاؤ گی ادھر۔" اس نے مجبوراً قدم بڑھائے اب تو بات اعتبار کی تھی اور کچھ بھی تھا شبو نے آج تک بے اعتباری والی کوئی حرکت کی بھی تو نہ تھی۔

"تم تو کہہ رہے تھے کہ کوئی کام ہے۔" ایک لاکٹ فلیٹ میں چابی گھماتے دیکھ کر وہ پھر مشکوک ہوئی۔

"تو بند فلیٹ میں کام نہیں ہو سکتا کیا۔" وہ دروازہ کھول کر اس کی طرف مڑا۔

"دل کرے تو اندر آنا۔ ورنہ ادھر ہی انتظار کر۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر اندر بڑھ گیا۔ نائلہ گہری سانس لے کر وہیں کھڑی رہ گئی۔



حسیب منگنی کے بجائے ماہا سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ امی نے یہی بات کرنے کے لیے انس کو فون کیا تھا سوہا نے سنا تو سوچ میں پڑ گئی۔

"اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے اپنی سوچ کو انس کے سامنے زبان دی۔

"میرا خیال ہے اس میں کوئی برائی تو نہیں۔"

"کوئی ایسی اچھائی بھی نہیں۔"

"میرا بہت پرانا دیکھا بھالا دوست ہے۔ تم کسی فکر میں مت پڑو۔" انس کا لہجہ لاپروا سا تھا۔ سوہا کو کھل گیا۔

"کیسے نہ پڑوں فکر میں۔ دیکھا بھالا آپ کا پاکستان میں' دبئی میں اس کا۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"دبئی میں اس کا کیا کاروبار ہے۔ جو وہ بتاتا ہے آپ' صرف اسی پر یقین کرتے ہیں یا کبھی آپ نے خود دیکھا ہے جا کر۔"

"پتا کروا لیا ہے سب میں نے۔ میرے وہاں اور بھی جاننے والے ہیں۔"

"جو حسیب کے بھی جاننے والے ہیں۔"

"نہیں جو صرف میرے جاننے والے ہیں۔ اور صرف میرے خیر خواہ بھی۔ ٹھیک ٹھاک صاف ستھرا لیدر گڈز کا کاروبار ہے۔"

"صاف ستھرا کاروبار۔۔۔ اور کردار؟" انس نے جیسے زچ کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو تم سوہا۔ وہاں اس کی ایک اور فیملی ہو گی۔ بیوی بچے وغیرہ۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ دھیمی پڑ گئی۔

"تو پھر کیا مطلب تھا۔ دیکھو اگر تم نیک اور شریف آدمی سے یہ مطلب لیتی ہو کہ وہ نظر اٹھا کر کسی عورت کی طرف دیکھتا تک نہ ہو گا تو سوری' اتنا نیک شریف تو میں بھی نہیں ہوں۔" اس نے بات ختم کر کے شرارت سے سوہا کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔" اس نے دھیرے سے ایک مکا انس کے شانے پر جڑ دیا۔

"میں نے امی سے بھی یہی کہا ہے۔ ماہا کے لیے حسیب سے بہتر نہیں ملے گا۔ اور اللہ سے اچھی امید رکھو

سب اچھا ہو گا۔ ان شاء اللہ۔" وہ سنجیدگی سے اسے یقین دلا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اماں دروازے کی چوکھٹ سے لگی کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا۔" اس نے ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

"ہونا کیا ہے۔ اکیلے بھیج تو دیا تمہیں۔ مگر جب سے نکلی ہو دل ہی میں پنکھے سے لگے ہوئے ہیں۔"

"کیوں۔ میں کوئی پہلی بار گئی تھی کیا۔" اس نے بے زاری سے چادر اتار کر ایک طرف ڈالی۔ پھر بیگ سے دوائیں نکال کر اماں کو تھما دیں۔

"پھر بھی۔ یوں اکیلی تو پہلی بار ہی۔۔۔" اماں بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا اماں۔" اس نے بوکھلا کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"منہ کیسا لال انگارہ ہو رہا ہے تیرا۔ کیا بہت گرمی تھی باہر۔" اماں کے لہجے میں محسوس کی جانے والی محبت تھی۔ اس کی آنکھیں بلاوجہ نم سی ہو گئیں۔ عفت کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں لال شربت کا گلاس تھا۔ گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے دل میں ایک سوئی سی چبھی۔

"سگے رشتوں کو دھوکا دے کر کیا مل رہا ہے تجھے۔"

"چند لمحوں کی مختصر مگر جی سرور آمیز سچی خوشی۔" ایک شیطانی سوچ نے پر مدلل جواب دیا۔ وہ مطمئن ہو کر پورا گلاس چڑھا گئی۔ خوشی کے اصل مفہوم سے آشنا مگر دانستہ اختیار کی گئی چشم پوشی۔

دوسرے دن شام میں سوہا کا ولیمہ تھا۔ اسی میں ہما کا نکاح بھی ہو جانا تھا۔ اور اماں نے آج ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

"نسیم آئی تھی نا اس دن بھائی کے لیے کہنے۔ اسے کیا جواب دوں۔" اماں بڑے چاؤ سے اس سے پوچھنے لگیں۔ اسے شربت پیتے میں اچھو لگ گیا۔

"کیا مطلب کیا جواب دوں۔ آپ نے اسی وقت انکار کیوں نہیں کر دیا۔" وہ ایک دم تلخ ہو گئی۔ سگے رشتوں کے لیے دل میں چند لمحے پہلے اڈنے والی محبت اچانک ہی منہ پھیر کر غائب ہو گئی۔

"تو کیسے کرتی انکار۔ کوئی برائی بھی تو ہو۔ گھر آئے رشتوں کو ٹھکرانا کفران نعمت ہے۔"

"کفران نعمت نعمتوں کو ٹھکرانے سے ہوتا ہے۔ رنڈوؤں کے رشتوں کو ٹھکرانے سے نہیں۔" عفت کو اس کی بات سن کر زور کی ہنسی آئی۔ مگر اماں کی شکل دیکھ کر ضبط کر گئی۔

"رنڈوا ہے تو کیا ہوا۔ ہے تو وہ اچھا کھاتا پیتا آدمی ہے۔"

"صرف کھاتا پیتا دیکھا آپ نے اماں۔ مجھے لڑکا چاہیے۔ آدمی نہیں۔"

"باؤلی ہوئی ہے۔" اماں ذرا کی ذرا تیز ہوئیں۔

"ہاں ہاں باؤلی ہو گئی ہوں میں مگر پلیز اماں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ اس کی اور میری عمروں میں فرق دیکھیں ذرا آپ۔" وہ بے حد غصے میں کہتی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ آج کی ملاقات کا سارا نشہ اماں نے ایک جھٹکے میں ہرن کر دیا تھا۔

"بس میں فوراً شبیر سے بات کروں گی مگر۔۔۔۔" وہ بھی تو ایک آدمی تھا۔ پینتیس سے اوپر نکلتا ہوا آدمی۔ نائمہ کی سوچیں اس نکتے پر آ کر رک سی گئیں۔

"مگر شادی شدہ تو نہیں۔ ہے تو کنوارا نا۔" اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے نقطہ ڈھونڈ نکالا تھا۔

ولیمے کی تقریب میرج لان میں منعقد کی گئی تھی۔ سوہا اتنے عرصے بعد دلہن بن کر پھر سے شرما رہی تھی۔ زیادہ تر لوگوں نے اس حوالے سے اس کا اور انس کا خوب مذاق اڑایا۔ انس سب کی باتوں کا ہنس ہنس کر جواب دیتا رہا حدید اسٹیج کے سامنے اور قریب ترین رکھے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھا رہا۔

ماہا بھی ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ چھوٹی موٹی سی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ نکاح کا مرحلہ بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچا انس اور حسیب کے مشترکہ دوستوں اور خاندان کے کچھ منچلوں نے شور مچا دیا کہ دونوں کو اسٹیج پر ساتھ بٹھایا جائے۔

حسیب بڑے پروقار انداز میں اس کے برابر میں بیٹھا اور سرخ گلابوں کا بکے اس کی طرف بڑھا دیا۔ خوب ہاؤ ہو ہوئی۔ شور مچا۔ اور زندگی میں پہلی بار ماہا نے اپنے آپ کو اتنا نروس محسوس کیا۔ بکے تھامتے ہوئے اس کی ہتھیلیاں بالکل بھیگ چکی تھیں۔ خاندان کے بیشتر لوگوں کی رائے تھی۔ کہ وہ دلہن بن کر سوہا سے زیادہ اچھی لگنے لگی۔ ہر چند کہ نکاح کے وقت دھواں دھار رونے سے اس کی شکل کافی بگڑ چکی تھی۔ کھانا شروع ہونے پر جب حسیب اس کے برابر میں سے اٹھا تب اس کی جان میں جان آئی۔

عفت نائلہ کے ساتھ ہی بیٹھی کھانے سے انصاف کر رہی تھی۔ اماں اور چچی جان بھی ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ وہ میٹھا لانے کے لیے ٹیبل سے اٹھی تو اسے دور بیٹھا حدید نظر آیا۔ وہ یوں بیٹھا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اپنی ٹیبل پر میٹھے کی پلیٹ دے کر وہ اس کے پاس آئی۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" حدید دور سے ہی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"نہیں یہ بریانی زیادہ نکال لی ہے' تم پلیز پلیٹ صاف کر دو۔" عفت اس انوکھی فرمائش پر ہنس پڑی۔ "تو چھوڑ دیں نا۔"

"یار بھری ہوئی پلیٹ یونہی چھوڑتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔" وہ اس کے بے چارے انداز پر کچھ اور کھل کر ہنسی۔

"یہ پلیٹ بھرتے ہوئے تو شرم نہیں آئی ہوگی۔"

"نہیں بالکل نہیں کیوں کہ یہ پلیٹ میں نے بھری ہی نہیں۔" وہ جس قدر مزے سے بولا۔ عفت ایک بار پھر دیر تک ہنستی رہی۔

"ایک بات کہوں تم سے۔" جب وہ خوب ہنس چکی تب وہ بولا۔

"بولیں۔"

وہ بے دھیانی میں بریانی کے بڑے بڑے نوالے نگل رہی تھی کیوں کہ ابھی اس کو پورے لان کا چکر لگا کر کھانا کھاتے ہوئے مہمانوں کے پاس جا کر میزبانی کے فرائض بھی انجام دینے تھے۔ حسب توقع نائلہ تو بن کر جڑ گئی تھی اور کھانا کھلتے ہی نہ صرف اپنی پلیٹ لے کر کھانے میں مصروف ہو گئی تھی بلکہ زبردستی اسے بھی بٹھا لیا تھا۔

"ہنستی رہا کرو تم۔ ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔" اس کی ہنسی کو ایک دم ہی بریک لگا تھا۔

"کیا ہوا مائنڈ کر گئیں میری بات کو۔" حدید نے اس کی خاموشی کو توڑ کیا۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ اس کے الفاظ نے عفت کے دل میں کیسی ہلچل مچا دی ہے۔ وہ فرصت سے اسے دیکھے گیا۔

"میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔" عفت گڑبڑا کر یہی کہہ سکی۔



ولیمے کی تقریب سے واپسی پر رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ سب ہی تھکن سے چور تھے۔ سوہا نے اندر آتے ہی ہاتھ میں اتار کر پکڑی ہوئیں سینڈلیں ایک طرف ڈالیں اور صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ لاؤنج میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ اس نے لائٹ تک آن کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ انس کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکتا کچن میں پانی پینے چلا گیا۔ حدید دھیرے دھیرے چلتا سوہا کے سرہانے تک آیا۔

"سوہا پلیز میرے کمرے میں پانی کی بوتل ضرور رکھ دینا۔ رات میں پیاس لگے تو مشکل ہوتی ہے۔" سوہا نے اس کی بات پر آنکھیں کھول کر پہلے حدید کو اور پھر اپنے زیورات اور بھاری دوپٹے سے لدے وجود کو دیکھا۔ تھکن سے اس کا جوڑ جوڑ فریادی تھا۔ گو کہ یہ کام کوئی غیر معمولی نہ تھا مگر اس وقت تو جڑی ہوئی پلکیں تک کھولنا پہاڑ توڑنے کے مترادف لگا تھا۔ اوپر سے اس کا دلہناپے کا سنگھار۔ ابھی جابجا ٹھونکی ہوئی سیفٹی پنیں نکالنا تھیں۔ میک اپ صاف کرنا تھا اور توا وربالوں کی بیک کامبنگ۔

"اف خدایا!" وہ دل ہی دل میں کراہی۔

"آپ خود رکھ لیں نا حدید بھائی پلیز۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس کا لہجہ بہت عاجزی بھرا تھا۔

"او کے تم آرام کرو میں لے لوں گا۔" حدید ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ وہیں سے مڑکر کچن کی طرف چلا گیا۔ انس نے اسے دیکھا تو حیرت سے بولا۔

"تم کیوں آئے ہو۔ سوہا سے کہہ دیا ہوتا یا مجھے آواز دیتے۔"

"میں لے لوں گا نا۔ اس کے اتنے بھاری کپڑے۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ فریج میں پانی کی ایک بھی بوتل نہیں تھی۔ سوہا کی لاپروائی۔

"تم جاؤ میں جگ میں ڈال کر رکھتا ہوں۔" حدید واپس پلٹ گیا۔ انس نے جگ میں پانی اور برف ڈالی اور باہر نکلا تو سیڑھیوں کے پاس ریلنگ تھامے سوہا کھڑی تھی۔

"سوہا کیا ہوا۔" اس نے جگ تیزی سے ٹیبل پر رکھا اور اس کے پاس پہنچا۔

"کچھ نہیں شاید تھکن کی وجہ سے معمولی سا چکر آ گیا۔" انس فکر مندی سے اس کا بازو تھام کر اوپر بڑھ گیا۔ پانی کا جگ میز پر رکھا رہ گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کسی احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ کمرے میں شدید گھٹن اور حبس تھا۔ اس کا جسم پسینے سے بھیگ رہا تھا۔ اس نے ایک وحشت کے عالم میں جسم پر سے چادر اتار کر پھینکی۔ شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ اس نے گھپ اندھیرے سے اندازہ لگایا۔

وہ احتیاطاً "موبائل" سرہانے رکھ کر سوتا تھا۔ اسے ٹٹول کر ٹارچ جلائی۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا جانے کس وقت لوڈشیڈنگ مہربان ہوئی تھی۔ موبائل ٹارچ کی مدھم روشنی سے سائیڈ ٹیبل ذرا روشن ہوئی۔

"او نو! ناٹ اگین۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ سائیڈ ٹیبل خالی تھی۔ وہاں پانی نہیں تھا۔ بمشکل تمام ٹارچ سے ٹٹول کر وہ قریب ہی رکھی اسٹک تک پہنچا۔ نیند کا غلبہ، پلاسٹر چڑھی ٹانگ، گرمی اور حبس۔ وہ ذرا سی کوشش میں ہانپ بھی گیا اور پسینے سے تربتر ہو گیا۔ نم ہتھیلی سے اسٹک پھسلتے بچی۔ اس نے بے دردی سے ہاتھ قمیص سے رگڑ ڈالا اور بمشکل تمام کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

لاؤنج میں بھی گھپ اندھیرا تھا۔ مگر ٹارچ کی روشنی میں سامنے میز پر رکھا پانی دکھائی دے گیا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ اس نے گلاس کی فکر چھوڑی اور جگ سے منہ لگا کر پانی پینے کا ارادہ کرتے آگے بڑھا۔ جانے اس کی پیاس زیادہ شدید تھی یا لاپروا رویہ اس کے پیر میں زبردست ٹھوکر لگی۔ اسٹک ہاتھ سے نکل گئی اور وہ پورے قد سے زمین پر آ رہا۔

(باقی آئندہ)



فرحین اظفر

دیارِ وفا

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید' انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کرتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آجاتی ہے۔ حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



چوتھی قسط



صبح صبح کا وقت تھا۔ فجر کی نماز کے عادی افراد رات کو دیر سے سونے کے باوجود صبح جاگ گئے تھے۔ کچن میں ناشتے کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔

نائلہ بہت دیر سے اس کی غائب دماغی نوٹ کر رہی تھی۔ ناشتا بنانے میں بہت بار روٹی جلتے جلتے بچی۔ بے دھیانی میں دودھ کا گرم برتن اٹھالیا۔ اور پھر تیزی سے واپس رکھتے رکھتے بھی تھوڑا سا دودھ گر ہی گیا۔

"کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو۔ دھیان کہاں ہے تمہارا۔"

نائلہ سے رہا نہیں گیا۔

عفت چونکی نہیں۔ وہ جانتی تھی۔ نائلہ بہت جلد اس کے غیر حاضر دماغی کو نوٹ کرلے گی۔

"پتا نہیں کیا بات ہے۔ صبح سے دل کو گھبراہٹ سی لگی ہوئی ہے۔"

"دس پانچ روپے صدقے کی نیت سے الگ کردو۔"

اماں نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے اس کی بات سن لی تھی۔

"ہم نے بڑوں سے یہ ہی سنا ہے۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہو تو دل یونہی نہیں گھبرایا کرتے۔ اور صدقہ بڑی مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔"

اماں شفقت سے بولتی پانی کا گلاس لے کر باہر نکل گئیں۔

"ابا کے لیے رات والے سالن میں روٹی مل دینا۔"

"جی اچھا۔" نائلہ فریج سے سالن کا پیالہ نکالنے لگی۔

جبھی ماہا نے کچن میں قدم رکھا۔

"حدید بھائی کل رات اپنے لاؤنج میں گر گئے۔" اس نے ایک ہی سانس میں خبر نشر کی عفت کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا چھوٹ کر دھپ سے زمین بوس ہو گیا۔

"لائٹ گئی ہوئی تھی۔ وہ پانی پینے کمرے سے نکلے تو اندھیرے میں۔۔۔" ماہا تفصیل بتانے لگی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ان کی۔"

نائلہ نے جھک کر زمین سے پیڑا اٹھایا اور عفت کو تنبیہی نظروں سے دیکھتی۔ ماہا سے بولی۔

"اب تو بہتر ہے مگر رات میں بہت تکلیف تھی۔ صبح صبح سوہا کا فون آیا تھا۔ رات بھر جاگے ہیں تینوں۔"

ماہا نے جلدی جلدی بتا کر نائلہ کو تیار ہونے کا کہا۔

"میں اور امی جائیں گے ابھی، تم اور تائی جان بھی چلی چلو اگر چاہو۔"

جلدی میں ناشتا نمٹا کر چاروں خواتین نکل گئیں گھر میں ابا کے پاس عفت تھی۔

یہ حادثہ بھی خطرناک سہی مگر حدید کے ایکسیڈنٹ جتنا بہرالحال نہیں تھا۔ مگر عفت کو لگ رہا تھا آج دل کی بے کلی کا عالم ہی کچھ اور ہے۔

"حدید کو پانی پینے کے لیے اٹھ کر باہر کیوں آنا پڑا میں تو سوہا کو خاص طور پر تاکید کر کے آئی تھی کہ۔۔۔"

اس نے کچن میں آکر دو چار برتنوں پر یونہی ہاتھ مارا۔

"اللہ کرے اب اس کی تکلیف ختم ہو گئی ہو۔"

صدق دل سے جانے کون سی بار دعا نکلی تھی۔

کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

کپڑے دھونے کا ارادہ کیا تو سرف میں بھگو کر یونہی چھوڑ دیے۔ جھاڑو اٹھائی اور اماں، ابا کے کمرے میں الٹے سیدھے ہاتھ مار کر کوڑا صحن میں جھاڑو سمیت سامنے ڈھیر کر دیا۔ ناشتے کے برتن سینک میں یونہی ڈال دیے۔ وہ

وہیں پڑے رہ گئے۔
کتنی دیر گزر گئی تھی ان لوگوں کو گئے ہوئے۔ صبح سے دوپہر ہونے لگی۔ ابا کو بھوک لگی۔ اس نے وہی رات کا سالن بھگو کر روٹی میں ان کے آگے رکھ دیا۔ ابا معمولی سے رعشہ زدہ ہاتھوں سے ڈبڈباتی روٹی رغبت سے منہ میں ڈال رہے تھے۔ وہ وہیں کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔
کیا کیا منظر اور کون کون سے خیال ذہن کے اسکرین سے گزرتے رہے۔ معاً" وہ آگے بڑھی۔
"ابا میں کھلا دوں۔"
"کیوں۔" ابا حیرت سے دیکھنے لگے۔
"بس وہ شوربہ پتلا ہے نا گر نہ جائے۔"
"لے میں تو روز کھاتا ہوں۔ آج کون سی نئی بات ہے۔"
ابا ہنس کر بولے وہ 'بے دلی سے ان کے کمرے سے نکل آئی۔
مارے باندھے صفائی کر کے دال چڑھائی۔
"کسی کو اتنا خیال نہیں ہے کہ ایک فون کر کے اس کی خیریت کی اطلاع ہی دے دے۔" اس کی بے بسی انتہا پر تھی۔



حدید کی حالت رات سے کافی بہتر تھی۔
انس کے چہرے پر تھکن اور نیند کے اثرات تھے۔ اور سوہا کے چہرے پر رونے کے بھی۔
"سب میرا قصور ہے امی۔ نہ میں اتنی لاپروائی برتی۔ نہ یہ سب ہوتا۔" سوہا کی آواز بھرا گئی۔
"پاگل ہو گئی ہے آنٹی۔ رات سے یہ بات کہہ کہہ کر کتنی بار رو چکی ہے۔"
"ارے بیٹا۔ اپنی لاپروائی کا احساس تنگ کر رہا ہو گا اور کیا۔"
تائی امی نے بہت بردباری سے اپنا تجربہ پیش کیا۔
"سوہا نے کوئی لاپروائی نہیں کی۔"
حدید نے ایک نظر سوہا کو دیکھ کر کہا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔
نائلہ نے بطور خاص اس کا انداز نوٹ کیا اور 'حسب عادت دل میں جل کر رہ گئی۔
"ابھی عفت اس کی جگہ ہوتی تو سب پیچھے لگ چکے ہوتے۔" وہ کڑھتی ہوئی سوچنے لگی۔
حدید نے ایک بار بھی عفت کا نہیں پوچھا۔ یہ بات نائلہ کو اور بھی بری لگی۔ وہ خود اپنی ہی سوچوں سے الجھتی رہی۔
سوہا ان لوگوں کو کھانے کے لیے روک رہی تھی۔ مگر تائی امی کو واپس کی جلدی پڑ گئی۔
"ماہا کے اسکول سے آنے تک تو رکیں۔ وہ بھی تو آپ لوگوں کے ساتھ ہی جائے گی۔"
سوہا نے انہیں دوپہر کے کھانے تک روک لیا۔ اور تیاریوں میں لگ گئی۔ نائلہ کو بھی مارے باندھے کچن میں آنا پڑا۔ مگر اس نے ایک بار بھی سوہا سے یہ نہیں کہا کہ وہ" آرام کر لے کھانا وہ خود بنا لے گی۔ حالانکہ انس ذرا دیر بعد ہی سونے چلا گیا۔ حدید کو بھی نیند نے آگھیرا۔ اور سوہا بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ اسے بھی نیند آ رہی تھی۔ مگر اخلاقیات کے تقاضے بڑے زور آور تھے۔
امی کچھ دیر بعد کچن میں آئیں۔

"اماں کہاں ہیں چچی۔" نائلہ نے یونہی پوچھا۔
"وہ لاؤنج میں صوفے پر سو گئی ہیں۔"
اماں کا انداز جتاتا ہوا نہیں تھا۔ مگر وہ پھر بھی شرمندہ ہو گئی۔
"تم بھی سو جاؤ سوہا۔ کھانا میں اور نائلہ دیکھ لیں گے۔"
امی سے سوہا کی حالت اور نائلہ کی چشم پوشی چھپی نہ رہ سکی۔ سوہا پس و پیش کرنے لگی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"ارے ابھی آرام کرو۔ ہمارے جانے کے بعد بھی کام کرو گی۔ اچھا ہے فریش ہو جاؤ گی۔"
"ہاں اور کیا۔ تم آرام کرو۔"
شرمساری میں نائلہ کے منہ سے بھی نکل گیا۔
ماہا کے آنے تک کھانا تیار تھا۔ اس کے کا اسکول یہاں سے دور تھا۔ وہ خود تھک کر چور تھی۔ امی اور نائلہ کے علاوہ سب ہی سو رہے تھے۔
دوپہر کا کھانا دیر سے کھایا گیا اور' سوہا سے کھانے کے لیے بھی نہیں اٹھا گیا۔ کھانے کے فوراً" بعد سب نے واپسی کی راہ پکڑی۔
"سوہا میں تمہارے پاس ضرور رک جاتی۔ مگر تم جانتی ہو پیپرز کے دنوں میں کام کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اور اسکول یہاں سے بہت دور ہے۔ میں اور اتنا سفر کر کے آتی ہی تو تمہارے کیا کام آسکوں گی۔"
ماہا بہت سچائی اور شرمندگی سے اپنی صفائی دے رہی تھی۔
"ارے کوئی بات نہیں نا۔ اب تو حدید بھائی ٹھیک ہیں۔ میں سنبھال لوں گی۔" اس نے امی اور ماہا دونوں کی تشفی کروائی۔
نیچے لاؤنج میں انس' نائلہ سے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا۔
ابھی یہ بات کسی کو پتا نہیں تھی مگر' اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سوہا کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے حدید کو مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا کہ' اسے اپنی ٹانگ پر بالکل زور نہ دینا پڑے۔ ایسے میں اسے مکمل توجہ کی ضرورت تھی۔ تو یقیناً" کام بھی بڑھ جانا تھا۔
"میں کیسے رک سکتی ہوں۔ ٹیوشن کے لیے بچے آتے ہیں۔ ایگزام ہونے والے ہیں۔" نائلہ نے کورا جواب دیا۔ اماں کی بھی تسلی ہو گئی۔ انس ایک دم چپ ہو گیا۔
"آپ ماہا سے کیوں نہیں کہتے۔"
"جب تم ٹیوشن کی وجہ سے نہیں رک رہیں۔ تو وہ تو پھر اسکول میں جاب کرتی ہے۔"
انس نے بہت سرسری انداز میں کہا تھا۔ اس کا مقصد کچھ جتانا نہیں تھا۔ مگر نائلہ مقابل کی ہر بات کو اپنے زاویے سے دیکھنے کی عادی تھی۔
"چلیں۔ احساس تو ہوا۔" بظاہر اس نے ہنس کر کہا تھا۔
"مجھے ہمیشہ سب ہی کا احساس رہتا ہے۔ لوگ بے حس سمجھ لیں تو اس میں میرا کیا قصور۔" اب کی بار انس نے ذرا بلند آواز میں جتا کر کہا۔
انس کے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتی ماہا اور چچی جان کو دیکھ کر نائلہ نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سلام کر کے تیزی سے باہر نکل گئی۔
ان کے جانے کے بعد بھی انس بہت دیر تک نائلہ کی باتوں کو سوچ کر الجھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شام کو سوہا کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی۔ انس فورا" اسے لے کر ڈاکٹر کے یہاں بھاگا۔ جاتے وقت وہ جتنا فکر مند تھا واپسی پر اتنا ہی خوش۔ سوہا کی طبیعت کی خرابی کی وجہ آنے والی خوش خبری تھی۔

انس نے حدید کو بھی اس خوشی میں شامل کیا۔ سوہا تو وہاں ٹھہری ہی نہیں اسے بے حد شرم محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے فورا" ہی فون کر کے امی اور ماہا کو اپنی خوشی میں شریک کر لیا۔

امی نے اس کے لیے ڈھیروں ہدایات کا پلندا جاری کر دیا۔ جس میں دواؤں کی پابندی اور بھرپور غذا کی فروانی سرفہرست تھیں۔

وہ چپ چاپ مسکراتے ہوئے سنتی رہی۔

کمرے کے دروازے پر آہٹ ہو رہی تھی۔ اندر آنے والا انس تھا۔ اس نے امی کو مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا۔

☆ ☆ ☆

خالی کمرے میں خاموشی ہمکلام تھی۔

وہ آج بڑے دنوں بعد موقع لے کر نکلی تھی۔ اس سے پہلے ایک بار کوشش کی تو ابا کی طبیعت اتنی بھلی چنگی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو دکھانے کو مانتے ہی نہیں۔

ایک دن معدے میں ہلکا سا درد تھا وہ فورا" ابا کے سر ہو گئی مگر اسپتال آکر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شبیر حسین دو دن کی چھٹی پر تھا۔

اسے موبائل فون کی کمی، ضرورت اور اہمیت کا بیک وقت شدت سے احساس ہوا۔

اماں نے نسیم باجی کو فورا" انکار کہلانے کے بجائے نائلہ پر رضامندی کے لیے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

نسیم باجی بھی بہت زور دے رہی تھیں۔

نائلہ کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ دل ابھی انس کی بے وفائی (اپنے تئیں) کے جھٹکے سے سنبھلا ہی کہاں تھا۔ اور ابھی تو محبت کے پنچھی نے فقط چند خواب ہی دکھائے تھے۔ کھٹے میٹھے مزے لینے سے پہلے ہی پر کٹنے کا اندیشہ ستانے لگا تھا۔

وہ شبو کے سامنے رو ہی تو پڑی۔

"میں مرجاؤں گی مگر کسی دوہاجو سے شادی نہیں کروں گی۔"

"تو کون کہہ رہا ہے کہ کرو اس سے شادی 'انکار کر دو۔"

اس کا لہجہ بڑا لاپروا سا تھا۔ درمیان میں رکھی تھیلی میں سے کینو اٹھا کر چھیلنے لگا۔

اس کی خاطر تواضع عام طور پر اسی طرح کی ہوتی تھی۔ کبھی عمدہ قسم کے بڑے بڑے کینو، کبھی سونف الائچی کی خوشبو والے پان۔ کسی چھابڑی سے خریدے گئے ٹھنڈے پکوڑے اور کبھی کبھار کولڈ ڈرنک۔

"کس برتے پر انکار کروں۔ تم.... تم۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔

"ہاں ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔" شکاری نے اپنا سوچا سمجھا دانہ پھینکا۔

"تم... مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔" اسے لگا زندگی میں پہلی بار کوئی بات کہنی اس قدر مشکل ہے۔

"او یہ کیا بات ہوئی۔ میں نے کب انکار کیا۔"

"تو پھر... رشتہ کب... بھیجو گے۔" اس کی آواز لجلجا گئی۔

"جب تم کہو۔"
"سچ۔" نائلہ کے اندر زندگی دوڑ گئی۔
"ہوں۔"
اس نے منہ کھڑکی سے باہر نکالا۔ اور پھوں کی آواز کے ساتھ بیج فضا میں اچھال دیے۔
"تو پھر جتنی جلدی ہو سکے۔ اسی ہفتے بلکہ کل ہی۔"
"رک جا بھئی۔ چھری تلے دم تو لے۔ کڑیئے۔"
وہ چھلکے سمیٹ سمیٹ کر کچن میں پھینکنے چلا گیا۔
یہ فلیٹ بقول اس کے 'کسی دوست نے اسے رہائش کے لیے دیا تھا۔
ایک تنہا آدمی کے زندگی گزارنے کے لیے یہاں خاطر خواہ سامان اور صرف ایک بیڈ روم سیٹ ہی تھا۔ نائلہ اس وقت وہیں تنہا بیٹھی تھی۔
یہ وہ لڑکی تھی۔ جو تن تنہا اپنی ماں اور بہن کے بغیر کبھی گھر کی دہلیز پار نہیں کرتی تھی۔ اگر آج وہ اس طرح ایک غیر محرم کے ساتھ اکیلی یہاں موجود تھی۔ تو اس میں اس آدمی سے زیادہ قصور یقیناً" خود اس کا اپنا تھا۔
اس نے اس راز میں بھی اپنی دن رات کی سنگی ساتھی۔ سہیلیوں' رازداروں جیسی سگی بہن کو بھی شامل نہ کیا تھا۔
نہ تو اس کے حالات زندگی اتنے خراب تھے نہ 'اس سے منسلک رشتے۔
ہاں مگر قسمت۔ وہ شاید اب خراب ہونی چاہتی تھی۔ شبو آخر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔
ان کے درمیان تکلف اور دوری کی دیواریں اپنا نام و نشان کھو چکی تھیں۔
"میری بہن رہتی ہے میرپور میں۔ آج ہی اس سے بات کرتا ہوں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر سمجھو بات نمٹ جائے گی۔" اس نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔
"پھر کبھی کبھی ایک بات میرے دل کو بہت چبھتی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر خود پر حسرت طاری کر کے بولا۔
"کونسی بات۔" نائلہ کو چونکنا ہی تھا۔
"بھلا میرے اندر ایسا کیا دیکھا تم نے۔" اس نے چہرے پر مسکینی طاری کر لی۔ چڑیا دانہ چگنے آ بیٹھی تھی۔ اب تو بس جال پھینکنے کی دیر تھی۔ اور صحیح وقت کا تعین کسی شکاری سے بہتر کون کر سکتا ہے۔
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ شکل و صورت میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ انسان کو اندر سے خوب صورت ہونا چاہیے۔"
کہتے سے کسی کا خوب صورت چہرہ نگاہوں میں لہرایا۔ اس نے سر جھٹک دیا۔
"مگر تم میرا اعتبار بھی تو نہیں کرتیں۔"
"ایسے کیوں سوچتے ہو۔ خود سے بڑھ کر بھروسا ہے تم پر۔"
"اچھا۔" پکے نقوش والے سانولے چہرے پر شوق دید آن سمایا۔
"تو پھر میرا ایک کہنا مانو گی۔"
اس نے یوں کھسیا کر اپنے چھدرے بال کھجائے۔ جیسے کہنے میں بڑی شرم آتی ہو۔
"ایک چھوڑ۔ دس کہو۔"
"جب سے ملی ہو۔ یہ کس کے چادر لپیٹے رکھتی ہو۔ میں نے۔۔۔ میں نے آج تک تمہارے بال نہیں دیکھے۔ مجھے بڑا شوق ہے ایمان سے۔" نائلہ نے اس کا چہرہ دیکھا اور ایک دم زور سے ہنس پڑی۔

"بس اتنی سی بات۔"

اس نے اپنی نقاب والی چادر کے سرے کھول کر آہستہ سے سرسے سرکا دی۔

قسمت بھی خوشیوں کے روزن یونہی پرے سرکاتی ہے۔ اور زندگی گنبد بے در ہوجاتی ہے۔ مگر پتا دیر سے چلتا ہے۔



دن تیزی سے گزر رہے تھے۔

حدید کی حالت پہلے سے بہتر تو تھی۔ مگر ابھی بھی اس کے لیے با آسانی اٹھ کر چلنا پھرنا ممکن نہ تھا۔ درمیان میں اگر وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اب تک وہ بالکل ٹھیک ہوچکا ہوتا۔

اس دن بھی سوہا نے ناشتا بنانے میں اتنی دیر لگادی کہ انس آفس کے لیے تیار ہو کر کچن کے دروازے تک آپہنچا۔

"جلدی کرو نا دس گھنٹے لگادیے۔ دو بندوں کا ناشتا نہیں بنا۔"

اسے سوہا کو سست روی سے کام کرتے دیکھ کر غصہ آگیا۔

ابھی گرمیاں عروج پر نہیں تھیں مگر سوہا پسینے پسینے ہو رہی تھیں۔

"بس ابھی پانچ منٹ میں۔"

اس نے فرائنگ پین میں انڈا توڑ کر ڈالا۔

انڈے کی خوشبو سے اسے زور کی ابکائی آئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتی نکل کر واش روم میں بھاگی۔

انس غصے میں سر جھٹک کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

حدید لاؤنج میں بیٹھا سارا منظر دیکھتا رہا۔ وہ واش روم میں حال سے بے حال ہو رہی تھی۔ انس اپنی بائیک نکال کر یہ جا وہ جا۔

وہ اسٹک کے سہارے اٹھ کر کچن تک آیا۔ کوئلہ بنے انڈے کا چولہا بند کیا۔ سوہا ہانپتی ہوئی آکر لاؤنج میں صوفے پر گر سی گئی۔

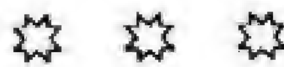
"سوہا!" حدید پانی کا گلاس لے کر آیا۔

"تھینک یو۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔ جانے کیوں آنکھیں ڈبڈبا سی گئی تھیں۔

حدید نے محبت سے اس کا سر تھپکا۔ وہ دیکھ چکا تھا انس نے شادی کے بعد اور آج سے پہلے شاید ہی کبھی سوہا پر اس طرح غصہ کیا ہو۔

وہ جانتا تھا سوہا نہ تو کام کے معاملے میں سست ہے نہ غیر ذمہ دار۔ مگر انسان کو کبھی کبھی غصہ آہی جاتا ہے۔ قصور اس کا بھی نہیں تھا۔

وہ کمرے میں آکر عفت کا نمبر ملانے لگا۔



ایک ہفتے کے اندر اندر خوشی کی خبر سنانے والے نے 'بیس دن بعد بھی کچھ سنانا تو دور اپنی شکل تک نہ دکھائی تھی۔

شبو نے اسے بتایا تو تھا کہ اس کی بہن کسی بات پر ناراض ہے۔ اسے منانے کے لیے ہوسکتا ہے اسے 'میر پور خاص جانا پڑے۔ چند دن تو اس نے یہ سوچ کر صبر کیا کہ وہ شاید سچ مچ میر پور چلا گیا ہو۔

مگر دل کی بے چینی جب حد سے سوا ہو گئی تو لے دے کر ایک یہی بہانہ رہ جاتا تھا کہ وہ ابا کے ہلکے سے سردرد کو طبیعت کی خرابی پر معمول کر کے اپنے ساتھ اسپتال گھسیٹ لے گئی۔ شبیر حسین اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

"اس کا تو ٹرانسفر ہو گیا ہے۔"

"جی۔" اسے لگا آس پاس کوئی زوردار بم دھماکہ ہوا ہے۔ جس سے اس کے جسم کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مگر اعصاب کے پرخچے ضرور اڑ گئے ہیں۔ اس کا ہوائیاں اڑتا چہرہ سامنے والے کے لیے شاید نیا نہ تھا۔

"آپ کا بھی کچھ لے بھاگا ہے کیا وہ۔"

"کیا۔ کیا مطلب۔" بمشکل تمام حواس یکجا کر کے اس نے سامنے والے کی بات سنی۔ "بہت سوں کے ساتھ طرح طرح کے فراڈ کر کے گیا ہے۔ آپ جیسی کتنی ہی آچکی ہیں۔ اس کا اتا پتا پوچھنے۔"

اس نے گھومتے ہوئے سر کو تھام کر کاؤنٹر کا سہارا لیا۔ ورنہ ضرور زمین پر گر جاتی۔ نگاہوں کے سامنے دھندلاتی منظر کو پلکیں جھپک جھپک کر صاف کرتے ہوئے اس نے دور ابا کو بینچ پر سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

اپنی بے بسی اور بے غیرتی کے سارے منظر اس کی نظروں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔

"میں نے بہت سے معصوم لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ یقیناً" احتساب کی گھڑی بہت جلد آپہنچی ہے۔"

دل میں جانے کب سے سوئے پڑے ضمیر کو جاگنے کا خیال آیا تھا۔ جب چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔ اور اس کی عزت داؤ پر لگ چکی تھی۔

"کیا ہوا۔ بولتی کیوں نہیں۔ نمبر نہیں لیا۔"

ابا اس کی اڑی اڑی رنگت کی وجہ جاننے سے قاصر تھے۔

"ڈاکٹر آیا ہے۔"

"نہیں اس کا ٹرانسفر ہو گیا۔" بولتے بولتے وہ بنچ پر گر سی گئی۔



اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ حدید نے خود اسے بلایا ہے۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں۔ تمہیں گھر آئے ہوئے۔ ذرا اپنی شکل ہی دکھا جاؤ آکے۔"

وہ دن بھر میں ہزاروں بار اس کی کہی ہوئی بات کو دل ہی دل میں دہرا کر مسکرائی تھی۔

"آؤ گی نا۔ میں انتظار کروں گا۔"

اس کے لہجے میں کوئی کھردرا پن نہیں تھی۔ وہ بہت سنجیدگی اور اپنائیت سے بات کر رہا تھا۔

مگر یہ دل خوش فہم..... سارے جھگڑے اسی کے کھڑے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک ایک بات کو ست رنگی دھنک اوڑھا کر پیش کرتا ہے۔

مگر.....

برا ہوا کہ اس کے دل کی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صاف منع کر دو۔"

اماں نے سنتے ہی اسے جھڑک دیا۔

"لیکن کیوں اماں۔"

"کیوں کا کیا سوال ہے۔ ان لوگوں نے تو کھیل ہی بنا لیا ہے۔"

نائلہ حیرت انگیز طور پر چپ تھی۔

"خدمتیں کروانے کے لیے میری اولاد رہ گئی ہے۔" اماں کا موڈ خراب ہوچکا تھا۔
اس نے بے بسی سے اماں کو دیکھا۔ پھر چپ سادھ لی۔ ان کے اس طرح سوچنے کا انداز میں کچھ غلط بھی نہ تھا۔ انس سے انہیں نائلہ کے لیے جو امید تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اب اگر ضرورت کے وقت وہ لوگ ماہا کے بجائے ان دونوں کو یاد کرتے تھے تو یہ اپنا دامن سمیٹنے اور انہیں مایوس کرنے کو اپنا حق سمجھتی تھیں۔
عفت کو ان کی عقل اور ذہنیت پر محض اتنا ہی افسوس تھا کہ وہ دونوں اس کا سگا خون تھیں۔ مگر ان کی سوچیں اس سے کوسوں دور تھیں۔



دل کے افق پر بے کلی اور اداسی کے گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔
تین نفوس بیک وقت انتظار کی گھڑی کی سوچوں سے بندھے تھے۔
سوہا کو انس کا انتظار تھا۔
اس نے انس کے جانے کے چند منٹوں بعد ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ 'بظاہر کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود معافی مانگ کر انس کا موڈ ٹھیک کردے گی۔
انس کا انتظار عفت کو بھی تھا۔
اس انتظار میں خوشی بھری بے تابی نہیں تھی۔ بلکہ اماں نے دو ٹوک انداز میں جس طرح انکار کیا تھا۔ اسی لہجے کی خوف بھری مایوسی تھی۔ اماں اور نائلہ دونوں ہی نہیں چاہتی تھیں کہ اب وہ وہاں جائے۔ تو اب حدید کی بات ماننا تو خیر ناممکن ہی ہوگیا تھا۔
حدید کو عفت کا انتظار تھا۔
اس کے خیال میں یہی ٹھیک وقت تھا۔ اسے اپنی دلی کیفیات سے آگاہی دینے کا۔ اس نے پہلے کبھی عفت کے لیے اس طرح کے جذبات محسوس نہیں کیے تھے۔ مگر ایکسیڈنٹ کے بعد جس طرح اس نے اس کا خیال رکھا تھا۔ تو دیوانی قسم کی تو نہیں مگر ہاں دل کے کسی کونے میں ایک نرم ملائم جذبہ محبت نے اپنا بسیرا ضرور کرلیا تھا۔
اسے احساس تھا انس اپنی خالہ جان اور نائلہ دونوں کی امیدوں کا مرکز تھا۔ اس نے اگر سوہا کو اپنا لیا تھا کہ دونوں کی توقعات خود بخود اس کی طرف منتقل ہوگئی تھیں۔
اس بار وہ خالہ جان کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ ان کی توقعات کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ عفت شکل اور صورت و تعلیم میں واجبی سہی مگر وہ اس کی آنکھوں میں چھپی محبت کو پڑھ چکا تھا جو یقیناً" صرف اور صرف اسی کے لیے تھی۔
اس نے سوچ لیا تھا کہ بہت جلد وہ اس راز میں سوہا اور انس کو بھی شامل کرلے گا۔
"اور عفت... وہ میرے منہ سے سن کر کیسا محسوس کرے گی۔" اس کے ہونٹوں پر ایک محظوظ شرارتی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔



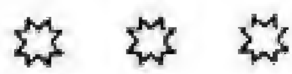
انس آفس سے واپسی پر بے حد پژمردہ تھا۔ سوہا اور حدید دونوں ہی نے اسے آفس کی تھکن اور صبح والے واقعے پر معمول کیا۔ وہ دروازے سے سیدھا اس کے کمرے میں ہی آیا تھا۔ حدید بہت دیر سے اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ متوجہ نہیں ہوا تو حدید کو اسے پکارنا پڑا۔
"کیا بات ہے۔ کس سوچ میں گم ہو۔" سوہا چائے رکھ کر جا چکی تھی۔

"کہیں نہیں یار۔" اس نے گہری سانس لے کر چائے کا کپ اٹھالیا۔
"پھر بھی... روز اتنے تھکے ہوئے نہیں لگتے۔ آج زیادہ ہی..."
"ہاں بس۔" انس نے ایک گھونٹ بھرا۔ حدید سمجھ گیا ابھی وہ بتانا نہیں چاہتا۔
"اچھا آج ایک کام کرنا۔ خالہ جان کے یہاں سے عفت کو لے آنا جا کر۔"
"کیوں۔" اس نے ایک دم ناگواری سے پوچھا۔
حدید کو محسوس ہوا انس کو اس کی بات بری لگی ہے۔
"ویسے ہی کہہ رہا تھا۔ آجائے گی تو سوہا کی تھوڑی ہیلپ ہو جائے گی۔"
"کیوں سوہا کو کیا ہوا ہے۔" انس کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔
"تمہیں نہیں پتا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ آرام کی ضرورت ہے... اور میری وجہ سے..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گیا۔
"کیا تمہاری وجہ سے۔ کیا اسے آرام نہیں ملتا۔ اور وہ کیا دنیا کی پہلی عورت ہے جو..."
"کیسی باتیں کرتے ہو یار کیا حرج ہے اسے بلانے میں۔"
حدید حتی المقدور دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا کہ انس کا موڈ خراب نہ ہو۔
"خالہ جان کو پسند نہیں ہمارا بلانا۔ جب تمہاری طبیعت پوچھنے آئی تھیں تو نائلہ جی الٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔" انس نے اسے تفصیل بھی بتادی۔
"اچھا۔" سن کر حدید کو افسوس ہوا۔
"مگر میں نے تو صبح عفت کو فون کر دیا تھا۔"
"کیوں۔ کیوں کیا تم نے فون، مجھ سے پوچھے بغیر ہی کر دیا۔" وہ ایک دم بری طرح بگڑ گیا۔
"مجھے تم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حدید کو اس کا انداز برا لگا تو منہ بنا کر کہنے لگا۔
"تو ٹھیک ہے۔ جا کر لے آؤ خود ہی میں نہیں جاؤں گا۔" وہ چائے یونہی چھوڑ کر باہر نکل گیا۔
حدید نادم اور شرمسار سا باہر سے آتی اس کی آواز سن کر الجھتا رہا۔
"یہ تم نے چائے بنائی تھی اتنی کڑوی اور اتنی ٹھنڈی صبح سے ایک کام میرے لیے کیا' وہ بھی تھرڈ کلاس۔"



لمحہ لمحہ گزرتے' اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ یہ وہ خود ہی جانتی تھی یا اس کا خدا۔ ایک دل کہتا تھا اڑ کر حدید کے پاس پہنچ جائے۔ دن بھی تو کتنے ڈھیروں گزر گئے تھے' اسے دیکھے ہوئے' بات کیے ہوئے۔
ایک دل کہتا تھا انس بھائی نہ ہی آئیں تو اچھا ہے۔ اماں تک تو خیر تھی' نائلہ سے کچھ بعید نہ تھا۔ کچھ بھی الٹا سیدھا بول سکتی تھی۔
"وہ پہلے ہی یقیناً" سوہا اور ماہا کو کسی نہ کسی لحاظ سے ہم سے بہتر سمجھتے ہیں جب ہی ان سے زندگی بھر کا رشتہ جوڑا۔ اور اب یہ فضول کی باتیں ہمارا کتنا امیج خراب کر دیں گی۔ یہ بیوقوف نائلہ سمجھتی کیوں نہیں۔
کیا انس اور حدید دنیا کے پہلے اور آخری مرد ہیں۔ اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے تو یقیناً" ہمارا جوڑ بھی تو اتارا ہو گا۔
جانے اسے خدا سے امید کیوں نہیں۔ انسانوں سے اتنی توقعات کیوں ہیں۔"
بار بار حدید سے صبح فون پر ہوئی بات یاد آنے لگتی۔
دل بے قرار کو کتنی مشکل سے امید کی ننھی سی کرن کا آسرا ملا تھا۔ حدید نے خود فون کیا تھا۔ حالانکہ وہ سوہا سے

بھی کہہ سکتا تھا پھر عفت سے براہ راست کہنے کی وجہ۔ یقیناً" حدید نے مجھے یاد کیا ہو گا۔
بار بار اس خیال کی تیز ہوا چلتی۔ اس کا دل منچلی پتنگ کی طرح اونچی اڑان بھرتا۔ پھر نائلہ اور اماں کی باتیں یاد آتیں اور پتنگ کٹ کر ڈولتی ڈگمگاتی مایوسی کی گہری کھائی میں جا گرتی۔
نائلہ خوب دیکھ رہی تھی کہ اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں۔ مگر صد شکر کہ اس نے بار بار ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔
اماں نے شوشہ چھوڑا تھا کہ انہیں انس سے کوئی بات کرنی ہے۔ مگر وہ کیا بات کرنے والی ہیں۔ اسے علم تو نہ تھا مگر انتظار ضرور تھا کہ بلی تھیلے سے باہر کب آئے گی۔ مگر انتظار کی گھڑیاں اتنی طویل ہو گئیں کہ صبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی۔ انس کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے۔



سوہا پانی کا جگ اور گلاس رکھنے آئی تھی۔
"انس کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔" حدید بے ارادہ ہی اس سے پوچھ بیٹھا۔
"جی اب تو بہت بہتر ہے۔" وہ دھیرے سے ہنس دی۔
"وہ ہوا کیا تھا موصوف کو آج... ہیں۔" وہ موبائل سے کھیل رہا تھا۔
"پتا نہیں ویسے کہہ رہے تھے کہ آفس میں کوئی پرابلم چل رہی ہے اور کچھ نہیں بتایا۔" وہ ابھی تک بیڈ کے پاس ہی کھڑی تھی۔
"بیٹھ جاؤ کھڑی کیوں ہو۔" اس نے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بنائی سوہا ذرا کی ذرا ٹک گئی۔
"آپ سے بھی وہ ناراض ہو گئے تھے شام میں۔"
"ہاں بس یونہی بے وجہ... میں نے کہا تھا عفت کو لے آؤ جا کے۔" حدید نے سرسری انداز میں بتایا۔
"اچھا آپ نے کہا تھا جبھی۔"
"جبھی کیا۔" وہ چونک گیا۔
"وہ ابھی لینے گئے ہیں۔"
"اب اس وقت کیوں۔" انس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔
"کہہ رہے تھے کوئی ضروری کام ہے۔ اب پتا چلا آپ نے کہا تھا تو کیوں نہ جاتے۔" وہ ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئی۔
حدید اس کے جانے کے بعد اپنے بھائی کی محبت پر مسکرا دیا۔



"وہ جانتی تھی عفت حدید کو پسند کرتی ہے۔
کل تک اسے کوئی اعتراض نہ تھا... مگر اب...
اب تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ آنے والے وقت کا خوف بھوت بن کر اعصاب پر سوار تھا۔
لڑکیاں راستے سے بھٹک جاتی ہیں۔ کبھی سراب کو منزل سمجھنے لگتی ہیں' لیکن ایسی فاش غلطی کو نہ تو نادانی کے حاشیے میں رکھا جا سکتا تھا۔ نہ قسمت کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا تھا۔ رات اپنی پوری تاریکیوں سمیت اس کا وجود نگلنے کے لیے دھرتی پر اتر آئی تھی۔
آنسو اس داغ کو نہیں دھو سکتے تھے۔ جو آنے والا وقت کالک بن کر اس کے منہ پر ملنے والا تھا۔ نہ ہی گزرا ہوا وقت واپس آ سکتا تھا۔ نہ خودکشی کا جراُت مندانہ قدم اس کے ماں باپ کو رسوائی کے طوق سے بچا سکتا تھا۔ سہمی

ہوئی دھڑکنیں، رکی رکی سانسیں اور اب کیا ہو گا کی تلوار اس کے سر پر تنی، اپنی نوکیلی دھار سے جیسے کنپٹی کی رگوں تک اتر آئی تھی۔

بظاہر اس کا وجود ساکت تھا اور ایسی کتنی ہی راتیں سولی پر ٹنگے گزار چکا تھا۔

"یا اللہ۔ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔"

لذت گناہ میں گم ہو کر انسان حرام اور حلال کی تمیز کھو دیتا ہے۔ بھلائی اور برائی کی تمیز کھو دیتا ہے۔ مگر وقت گزرنے کے بعد جب لذت ختم ہو جاتی ہے اور صرف گناہ باقی رہ جاتا ہے تو یہی حرام اور حلال اور بھلائی اور برائی کی تمیز پہلے سے زیادہ واضح جزئیات اور گہرے خدوخال لیے شعور کی سیڑھیاں چڑھ کر عقل کے سب سے اونچے چبوترے پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ تب انسان دنگ ہو کے سوچتا ہے کہ اس وقت ہماری عقل کہاں جاسوئی تھی۔

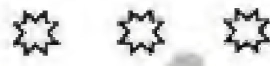
بلاشبہ جب انسان کے بدترین اعمال کے سیاہ نتائج اپنی ہولناکیوں سے اس کا دم نکالنے کے درپے ہوتے ہیں تو خود احتسابی کا عمل زندگی کے کسی بھی مقام سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ بھی زندگی کے اسی مقام پر تھی۔

اور اس کڑے مقام سے گزرتے ہوئے اس پر پوری طرح منکشف ہو چکا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بھیانک غلطی نہ صرف کر چکی ہے۔ بلکہ اسے سدھارنے یا مٹا کر ٹھیک کرنے کا کوئی کوئی اختیار اس کے پاس نہیں۔

اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکلی اور پیٹ میں درد کی شدید لہر۔ سانس تیز ہو کر دھونکنی کی مانند چڑھ گئیں۔ یوں لگا آنتیں اس قدر کھنچ گئی ہیں کہ پیٹ کے تمام عضلات سمیت حلق سے باہر آ جائیں گی۔ وہ تیزی سے اپنی مسہری سے اٹھی۔ اسے زوردار چکر آیا۔ اس نے بے اختیار بیٹھ کر خود کو سنبھالا۔ اسی وقت درد کی ایک اور لہر۔ وہ بے اختیار گرتی پڑتی باتھ روم تک پہنچی۔

وضو کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر لاتی اماں کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹا اور لڑھکتا ہوا نالی کے پاس جا گرا۔ اندر سے نائلہ کے بری طرح اوکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ واضح مگر مدھم۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے نیم گرم تازہ پانی کو نالی میں بہتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔



چہرے پہ تبسم ہے
لبوں پہ شوخی ہے
آنکھوں میں شرارت ہے
تم خود ہی کھو جاناں!
کہکشاؤں کے جھرمٹ میں
تاروں کی مسافت ہے
اعجاز ہے یہ الفت کا
کس کی محبت ہے

مسکراتے لبوں پر کلیاں سی چٹک رہی تھیں۔ کان میں کسی کا مسکراتا لہجہ امرت جل ٹپکا رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ پوری رات آنکھوں میں جاگتے اور لبوں سے مٹھاس برسائے اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔

"پیپر زدن کر آ گئے ہیں۔ تیاری کر لیں محترمہ۔"

حسیب نے فون ریسیو ہوتے ہی سب سے پہلے یہ خبر اسے سنائی تھی۔

وہ خوش بھی ہوئی اور کچھ پریشان بھی۔

"اتنی جلدی۔"

"کیوں تم چاہتی تھیں کہ' دیر لگ جائے۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"اچھا تو پھر کیا مطلب تھا۔"

چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں سے باتیں نکلیں تو' صبح کاذب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مگر نہ توماہا کی آنکھوں میں نیند کی چھب لہرائی نہ حسیب کے لہجے کی بشاشت ذرا سی بھی ماند پڑی۔ وہ کہتا رہا۔ وہ سنتی رہی۔

دونوں طرف خواب تھے' وعدے تھے' امیدیں تھیں' امنگیں تھیں۔ آنے والی زندگی اپنی روشن باہیں وا کیے ان کے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔

وہی گھر تھا اور اسی گھر کے ایک حصے میں...

زندگی مایوس اور تاریکی کے مہیب سائے اوڑھے ایک کمرے میں آنے والی صبح کے خوف سے دبکی بیٹھی تھی۔

وہ چکراتے سر اور بے ترتیب سانسیں سنبھالتی باہر نکلی تو اماں کو کمرے کے دروازے سے اندر گم ہوتے دیکھا۔

"اماں نے مجھے دیکھ لیا۔ اماں کو پتا چل گیا۔" ایک قیامت اس کے وجود سے ہو کر گزری تھی۔

لرزتے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے اور اپنے وجود پر اسرائی کے کالے سائے پر پھیلائے محسوس ہو رہے تھے۔



رات کو انس بہت دیر سے گھر واپس آیا۔ حدید اور سوہا دونوں ہی اس کا انتظار کرتے کرتے سو چکے تھے۔ ناشتے کی میز پر اسے اکیلا دیکھ کر حدید سے رہا نہیں گیا۔

"سوہا کہہ رہی تھی۔ تم رات میں عفت کو لینے گئے تھے۔"

"ہاں گیا تو تھا مگر جاتے میں ہی بائیک پنکچر ہو گئی۔ اسے بنوانے میں اتنی دیر لگی کہ پھر میں نے سوچا آج آفس سے واپسی پر لیتا آؤں گا۔"

"اچھا۔ میں نے فون پر کہہ دیا تھا عفت نے انتظار کیا ہو گا۔"

"میں کردوں گا فون آج' نائلہ اور عفت میں سے جو بھی۔" اس نے بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

حدید نے اس کے انداز میں عجلت محسوس کی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ نائلہ کو نہیں عفت کو لانا۔ مگر کہہ کچھ اور گیا۔

"تمہاری پروموشن کا کیا بنا۔"

"بس یار۔ لوگ اپنے بندوں کو آگے کر دیتے ہیں۔ نہ کوئی میرٹ ہے نہ قابلیت کی مانگ۔ بس چاپلوسی اور خوشامد کرتے رہو۔ جیبیں بھرتے رہو اور ترقی کرتے رہو۔" اس کا لہجہ پژمردہ سا ہو گیا۔

"مطلب نو چانس۔ ایک دم فنش۔"

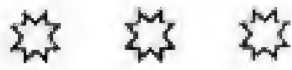
"نہیں ابھی چل رہا ہے چکر' مگر اب مجھے امید نہیں ہے۔"

سوہا اپنی اور حدید کی چائے نکال کر ناشتا کرنے آبیٹھی۔

"تم آفس کب جوائن کرو گے۔" انس جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو اسی ہفتے یا شاید نیکسٹ۔"

سوہا ناشتا کرتے میں سے اٹھ کر اسے گیٹ تک چھوڑنے چلی گئی جبکہ حدید کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔



وہ کتنی دیر سے اپنے پیروں پر گندمی ہاتھوں کی لرزش اور اشک ندامت کی نمی محسوس کر رہی تھیں انہیں لگتا تھا اب کہنے کو کچھ باقی نہیں بچا۔ کہنے کے لیے تو نائلہ کے پاس بھی کچھ نہ تھا۔ گھنٹوں بہائے گئے آنسو نہ اس کی عزت واپس لاسکتے تھے۔ نہ گزرا ہوا وقت۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ غلطی کرچکی ہے مگر۔ اسے سدھارنے کا موقع... اب شاید نہیں ملنے والا تھا۔

یوں بھی جب غلط لفظ کو لکھنے کے بعد ایک بار مٹایا جائے۔ پھر دوبارہ 'پھر بار بار یہ عمل دہرایا جائے تو کاغذ 'اپنی چکنی سطح پر لگنے والی رگڑ کو ایک حد تک سہنے کے بعد پھٹ جاتا ہے۔ پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اس پر نئے سرے سے کوئی لفظ تحریر کیا جائے خواہ وہ لفظ صحیح ہو یا غلط۔

نائلہ سے ایک بار انجانے میں غلطی ہوئی جو وہ 'ایک دھوکے باز شخص سے ناطہ جوڑ بیٹھی۔ مگر بار بار اس سے ملنا اس کی غلطی نہیں تھی۔ وہ جانتے بوجھتے یہ غلط کام کرتی رہی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سزا کی حق دار ٹھہری۔

اماں کے لبوں پر لگی خاموشی کی مہر کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ منتیں کر کر کے ہار رہی تھی اور اماں کی خاموشی سے مر رہی تھی۔

"کچھ تو کہیں اماں۔ گالیاں دیں۔ ماریں پیٹیں۔ بددعائیں۔ کوسنے دیں مجھے۔ مگر ایسے چپ مت رہیں۔ ورنہ میں مرجاؤں گی اماں خدا کے لیے۔"

وہ ان کے پیروں میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

عفت ناشتے کے لیے کچھ سامان لینے قریبی دکان تک گئی تھی۔ ابا اپنی نیند کی دوا کے زیر اثر دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔ اماں نے اپنی ڈبڈباتی نظریں اس پر ذرا کی ذرا ڈالیں۔

نائلہ کا ورم زدہ چہرہ خود اپنے اوپر گزرنے والے حادثے کا گواہ تھا۔ ان کا دل بند ہونے لگا۔ ایک قیامت جو دبے پاؤں ان کی طرف اپنے خون آشام پنجے کھولے بڑھ رہی تھی۔ ان کے چھوٹے سے گھر کے سکون کو تاحیات بے سکونی میں بدلنے والی تھی۔ درحقیقت انہیں ادراک ہی اب ہوا تھا کہ بے سکونی کس چیز کا نام ہے۔ نیندیں اڑ جانے کے پہلے اسباب انہیں بہت حقیر لگنے لگے تھے۔

ان کی برسوں کی عزت کی دھجیاں بکھرنے والی تھیں۔ ان کی سفید پوشی کی چادر کو لیر لیر کردینے والی تھی۔ بے بسی کی انتہائی حد سے بھی چند قدم آگے انہوں نے اپنے آپ کو کھڑا پایا۔

"کچھ تو بولو اماں۔ اللہ کے واسطے نہیں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔"

ان کا جھریوں بھرا ہاتھ لمحے بھر کے لیے لرزتا ہوا اس کے ہاتھوں پر ٹھہرا' پھر انہوں نے اس کے ہاتھ اپنے پیروں پر سے ہٹا دیے۔

"اماں۔" مایوسی کی اتھاہ میں ڈوبتی اس کی آواز فقط لبوں کی جنبش بن کر رہ گئی۔ وہ بے یقینی سے اماں کو کمرے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔



چچی جان کی خوشی سے بھرپور آواز گھر کے ماحول میں کسی نوحے سے کم نہ تھی۔

"سچ پوچھیں تو میرا بہت دل گھبرا رہا تھا یہ رشتہ کرتے وقت۔ حالانکہ انس نے بڑا اطمینان دلایا تھا۔ مگر پردیس

میں بسنے والوں کی کیا خبر۔ خدا کا شکر ہے جلد ہی کاغذات بن گئے۔ بس اب وہ لوگ نزدیک ہی کی کوئی تاریخ مانگ رہے ہیں۔"

اماں پتھر کے بت کی مانند ساکت تھیں۔ نائلہ تو پتا نہیں کہاں سر منہ لپیٹے پڑی تھی۔ عفت نے ہی آداب میزبانی نبھاتے ہوئے چائے سامنے لا کر رکھی تھی اور اب ایک پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر زبردستی سجائے بیٹھی تھی۔

اماں کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر وہ خود بھی عجیب سی ہو گئیں۔ اماں کی پتھرائی ہوئی نظریں زمین پر گڑی تھیں۔

"بھابھی کی طبیعت ٹھیک ہے۔"

انہوں نے اپنی بھاوج کا چہرہ دیکھتے ہوئے عفت کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ عفت تو خود انجان تھی اور اماں کے اس عجیب و غریب رویے کا سبب جاننے سے قاصر اس نے دھیرے سے اماں کا گھٹنا ہلایا۔

"اماں!" وہ کسی گہرے دھیان سے چونکیں۔

"ہوں۔"

"چچی بتا رہی ہیں۔ ماہا کے کاغذات بنوا لیے ہیں حسیب بھائی نے۔"

وہ چند لمحے یونہی خالی نگاہوں سے تکتی رہیں پھر سنبھل کر اپنی دیورانی کی طرف دیکھا وہ بھی اماں کے انداز کو ناسمجھی سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں مبارک ہو۔" اسی خالی انداز اور کھوکھلی آواز کے ساتھ انہوں نے مبارک باد کے پتھر خالی ٹین کے ڈبے میں لڑھکائے اور اٹھ کر اندر کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"وہ چچی جان دراصل آج اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

عفت نے گڑبڑا کر صفائی دینے کی ناکام سی کوشش کی۔

"مجھے تو زیادہ ہی خراب لگ رہی ہے۔ دیکھا نہیں تم نے کسی بات کا جواب دینا تو دور کی بات ڈھنگ سے سنی تک نہیں۔"

من پسند خوش خبری پر من پسند رسپانس نہ ملنے پر ان کے انداز میں خفگی سی در آئی۔ عفت خجل سی ہو گئی۔

چچی جان مزید کوئی بات کیے بغیر سیڑھیاں چڑھ گئیں۔



آفس سے واپسی پر انس روز سے زیادہ تھکا ہوا اور بجھا بجھا سا تھا۔ سوہا نے اسے ماہا کے فون کے بارے میں بتایا' مگر اس نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

"آپ کو بہت دیر ہو گئی آج واپسی پر۔" اس کی بے توجہی پر وہ خود بھی بجھ سی گئی۔

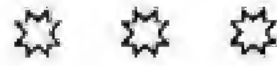
ماہا کی رخصتی اور شادی کے حوالے سے وہ بہت ایکسائٹمنٹ محسوس کر رہی تھی۔ انس نے اس کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہ کیا تھا بلکہ دو لفظ بھی جواب میں نہ کہے تھے۔ سوہا کا دل برا ہونے لگا۔ جب سے شادی ہوئی تھی۔ سوائے شروع کے چند ایک دنوں کے انس نے آج تک اس سے ڈھنگ اور فرصت سے بات نہیں کی تھی۔ حالانکہ اب تو کتنے دن گزر چکے تھے ہر وقت کسی نہ کسی سوچ اور پریشانی میں گم رہتا تھا۔

اس کی پریگننسی کی اطلاع پر جس خوشی اور جوش کا اظہار کیا تھا وہ بھی اب کہیں گم ہو گئی تھی۔ بلکہ اسے تو لگتا تھا انس ہی کہیں گم ہو گیا ہے۔ جو شادی سے پہلے اس کی محبت کا دم بھرتا تھا اور ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا تھا۔

وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھے سوچے گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ انس نہ صرف اس کا ارتکاز محسوس کر چکا ہے۔ بلکہ اس سے الجھ بھی رہا تھا۔

"کھانا لے آؤ۔ کب تک یہاں بیٹھو گی۔" سوہا بے دلی سے اٹھ گئی۔

جانے کیا ہوتا جا رہا تھا اس کو من پسند بیوی سجی سنوری، سامنے دل کو بہلانے کے لیے ہی بیٹھی تھی اور اس کا دل جانے کون سی گتھیاں سلجھانے میں لگا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے سوہا نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی۔ کپڑے چینج کیے بغیر وہ سر کو پیچھے ڈھلکا کر آنکھیں موند چکا تھا۔



امی صبح سے کئی بار دل ہی دل میں ماہا کی نظر اتار چکی تھیں جس کے لبوں پر صبح سے ہی ایک شرمیلی مسکان نے اپنا گھر کر لیا تھا۔

"تم نے سوہا کو فون کر کے آنے کے لیے کہا تھا کیا۔" شام کی چائے پیتے ہوئے انہیں خیال آیا۔

"کہا تو تھا مگر، سوہا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کہہ رہی تھی انس بھائی سے پوچھ کر بتائیں گی۔"

"لو تو وہ کون سا منع کر دے گا۔" امی دھیرے سے ہنس دیں۔

انہیں بھی تو آج صبح سے، جب سے حسیب کی بہن سے بات کی تھی۔ یونہی بات بے بات ہنسی آ رہی تھی۔ حقیقت یہ بھی کہ فی زمانہ ایک تنہا عورت کے لیے جس کا ساتھی اسے سالوں پہلے بیچ سفر میں چھوڑ کر ابدی نیند سو گیا ہو۔ زندگی گزارنا کسی امتحان سے کم نہ تھا اور پھر اولاد نرینہ سے محرومی اور بیٹیوں کا ساتھ نیندیں اڑانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بیٹیاں جوان ہوتے دیر لگتی ہے کیا۔ پلک جھپکتی نہیں کہ کندھے برابر آن لگتی ہیں۔ اپنے فرائض سے احسن طریقے سے سبکدوشی کا احساس کس قدر روح کو سکون بخشنے والا تھا۔ یہ تو کوئی رضوانہ حسن سے پوچھتا۔

حسن کی دائمی جدائی کے بعد جس طرح انہوں نے خود کو سنبھالا اور دونوں لڑکیوں سوہا اور ماہا کی پرورش کی تھی اس وقت کی کٹھنائیوں کو سینے کے بعد بہت دعاؤں کے بعد یہ وقت آیا تھا کہ سوہا کے بعد اب ماہا بھی عزت سے اپنے گھر کی ہونے جا رہی تھی۔

"آج آنے کا پروگرام ہے بھی یا نہیں۔" ماہا مسکراتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

"شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی آج تو۔" مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ نماز کے لیے اٹھ گئیں۔



سوہا نے انس سے گھر جانے کی بات چھیڑی۔ انس جانا نہیں چاہتا تھا، مگر جانتا تھا اس کی ساس حسیب اور ماہا کے حوالے سے صلاح مشورے کے لیے اس کی منتظر ہوں گی۔

جدید بھی یہی چاہ رہا تھا کہ سوہا، چند دن اپنی امی کے گھر آرام کر لے۔ دوسرے عفت آجائے تو اس کا دل بھی.... انس حسب معمول خاموش سا تھا۔

سوہا نے ہلکی پھلکی تیاری کر کے نیچے قدم رکھا تو حدید نے بے ساختہ اس کی تعریف کی۔

"دن بھر کے کام کے باوجود تم اس وقت فریش لگ رہی ہو۔" وہ سادگی سے مسکرا دی۔

"یہ میرے بھائی کی محبت کا کرشمہ ہے یا میکے کے متوقع وزٹ کا۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

سوہا نے بے اختیار انس کی طرف دیکھا۔ وہ بائیک کی چابی انگلی میں پھنسائے موبائل پر جانے کس کو کیا میسج کر رہا تھا۔ حدید کی بات کی طرف اس کی توجہ ایک فیصد بھی نہیں تھی۔ بلکہ پیشانی پر ابھری معمولی سی شکن بتاتی

تھی کہ وہ کسی سنجیدہ نوعیت کی گفتگو میں مصروف ہے۔
"میکے کا ہی ہوگا۔ آپ کے بھائی کی محبت اتنی کرشمہ ساز کہاں۔"
اس کا دل چاہا حدید کو جواب دے اور انس کو جتا بھی دے۔ مگر وہ صرف ایک جتاتی ہوئی نگاہ حدید پر ڈال کر سینڈل پہننے لگی۔
"اب نکل بھی جاؤ انس۔ یہ باتیں اور ایس ایم ایس بعد میں بھی ہو سکتے ہیں۔" اس نے بھی انس کی لاتعلقی محسوس کر لی تھی۔
انس نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا اور مصروف سے انداز میں اٹھ کر باہر نکل گیا۔ سوہا بھی گہری سانس بھر کر اس کے پیچھے چل پڑی۔
انس کی بے توجہی حدید نے محسوس کر لی تھی۔ سوہا کو یہ سوچ کر اطمینان ہو رہا تھا۔



عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ جب انہوں نے اپنے گھر میں قدم رکھا۔
پچھلی بار کی خوش گوار شام کو یاد کرتے ہوئے وہ لوگ سیدھے اوپر جانے کے بجائے آج بھی نیچے صحن ہی میں بیٹھے تھے۔
"تائی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ان کا سکتہ ٹوٹ چکا تھا، مگر چہرے پر ایسی مردنی چھائی تھی جیسے خدانا خواستہ کوئی مرگ..... کم از کم سوہا کو تو ایسا ہی لگا۔ اس نے جلدی سے سر جھٹک کر ان فضول سوچوں کو ذہن میں آنے سے روکتے ہوئے عفت سے پوچھا تھا۔ فی الحال صرف وہی بات کرنے کے قابل تھی۔ نائلہ صبح سے کمرے میں پڑی تھی۔
عفت اس سے پوچھ پوچھ ہار چکی تھی کہ اسے آخر ہوا کیا تھا۔ نائلہ کی چپ نہیں ٹوٹی البتہ عفت کو اتنا اندازہ ہو چکا تھا کہ نائلہ کی روتی صورت اور اماں کی خاموشی کا آپس میں کوئی تعلق ضرور ہے۔
"نائلہ کہاں ہے۔" عفت جس سوال سے بچ رہی تھی' سوہا نے وہی کر ڈالا تھا۔
"وہ کمرے میں ہے۔ اس کی طبیعت صبح سے خراب ہے۔" بتاتے ہوئے عفت کی آواز میں عجیب سی بے چارگی در آئی۔
سوہا متعجب تو ہوئی' مگر دل ہی دل میں.....
"اللہ خیر کرے۔ ایسا بھی کیا ہو گیا۔ یہاں تائی امی کا ایسا عجیب رویہ اور وہاں نائلہ۔"
"حسیب ماہا کی رخصتی چاہ رہا ہے۔" انس نے گلہ کھنکار کر صاف کیا اور بات شروع کی۔
"آیا تو میں اسی سلسلے میں تھا آنٹی سے بات کرنے مگر....."
اس نے رک کر اپنی خالہ جان کو دیکھا جن کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ جیسے انہیں کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ بھلے وہ کسی بھی سلسلے میں بات کرنے آیا ہو یا چاہے بات ادھوری چھوڑ کر ابھی واپس چلا جائے۔
"میں نے سوچا تھا عفت..... کو اپنے ساتھ لے جاؤں چند دنوں کے لیے۔"
"کیوں خیریت۔"
اماں کے منہ سے نکلنے والی پہلی بات پر عفت بھی چونک گئی۔ حالانکہ بات غیر متوقع نہیں تھی۔
"جی بس۔ سوہا کی طبیعت کا آپ کو پتا ہے تو میں نے سوچا اگر عفت....."

"تو تم نے سوچا ہمیشہ کی طرح عفت تم دونوں بھائیوں کی خدمت کرنے وہاں پہنچ جائے۔" اماں کا لہجہ ٹھنڈا مگر بات گرم تھی۔ انس گڑبڑا گیا۔

عفت کو اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے منظر سے بچنے کی خاطر باتھ روم میں پناہ لے لی۔

"نہیں نہیں خدمت کرنے کیوں۔ میرے لیے تو دونوں ہی بہنوں جیسی ہیں۔" انس سے بات بنائی نہیں گئی۔ کمرے میں تکیے میں منہ دے کر پڑی نائلہ کے آنسوؤں میں روانی آئی۔

"دیکھو بھئی۔ میرے لیے بھی تم دونوں میرے اپنے بیٹے جیسے تھے اور مجھے بھی تم دونوں سے بہت سی امیدیں تھیں مگر......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اس انداز میں سوہا کو دیکھا کہ وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔

"میرا خیال ہے میں امی سے مل لوں۔"

"ہاں ہاں چلی جانا پہلے میری بات سن لو۔"

سوہا نے سخت بے چارگی محسوس کی اور کھڑے ہوتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔ باتھ روم کے دروازے کی جھری سے جھانکتی عفت' کمرے میں ساری دنیا اور خود سے بھی خفا پڑی نائلہ اور ان کے سامنے بیٹھی سوہا۔ تینوں کے دل ایک ساتھ' لیکن جدا جدا انداز میں دھڑک اٹھے۔

"اب اگر آج میں یہ بات تم سے کہنے جارہی ہوں تو' خود کو حق بجانب سمجھ کر۔"

اماں کے دماغ میں صبح سے پکتی کھچڑی کو دم لگنے کا وقت آگیا تھا۔ سوچ سوچ کر جہاں ان کا دماغ شل ہوگیا تھا۔ وہیں اپنی زندگی ایک ایسی اندھیری بند گلی کی مانند لگ رہی تھی جس کے دوسرے سرے پر اندھی کھائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس گلی میں قدم تو نائلہ نے رکھا تھا' مگر دوسرے سرے پر جو رسوائیوں اور بدنامی کی اتھاہ گہرائیاں منہ کھولے منتظر تھیں۔ اس میں اس سمیت پورے خاندان کو گرنا ہی تھا۔ تو کیا تھا اگر وہ اس میں گرنے کے بجائے کسی اور کی نظروں میں کسی...... کسی ایک کی نظروں میں خود کو گرالیں زمانے میں تو سرخ رو ٹھہریں گی نا...... کسے پتا چلے گا کہ......

"ٹھیک ہے اگر حدید کو اتنی ہی ضرورت ہے تو' اس سے کہو چار بندوں کو لائے اور نکاح کرکے نائلہ کو لے جائے۔ بصورت دیگر میں اپنی بچیوں کو وہاں جانے کی اجازت دینا تو دور کی بات' تم لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ بھی نہیں رکھوں گی۔"

"جی!" انس کے حواسوں پر بجلی گری۔ سوہا دم بخود رہ گئی۔ نائلہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور عفت...... اس کی پسینے میں بھیگی ہتھیلی اور انگلیوں میں دبی دروازے کی کنڈی چھوٹ کر چوکھٹ پر آگری۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



فرحین اظفر

دیارِ مہر و وفا

سوہا اور رما یا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید 'انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ 'انس' میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کر دیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے' مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آ جاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید' عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ' شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے' جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور رما سے بھی کر دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط





سوہا اور انس کی آمد کی خبر ماہا اور امی تک پہنچ چکی تھی۔
اس نے جلدی جلدی چائے اور دوسرے لوازمات ٹرے میں سجا کر کچن میں ہی چھوڑ دیے۔ وہ دونوں شاید نیچے ہی بیٹھ گئے تھے اور فی الحال ان کی آمد کے کوئی آثار بھی نہ تھے۔ امی نے دوپٹا کھول کر پھیلایا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔
"میں ذرا دیکھ کے آؤں۔ آج اوپر آنے میں بڑی دیر لگا دی۔"
انہیں عشاء کے بعد سونے کی جلدی پڑ جاتی تھی کیونکہ فجر میں اٹھنا ہوتا تھا۔ اس وقت نیند کے پہلے جھونکے کے ساتھ ہی انہیں بیٹی داماد کی فکر ہونے لگی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھیں۔ آدھی سیڑھیاں اتر کر ان کے کانوں میں اپنی جیٹھانی کی جو آواز آئی۔ سماعتیں جانتے بوجھتے اسے قبول کرنے سے انکاری تھیں۔
باقی آدھی سیڑھیاں اترنے کے بجائے وہ پلٹ کر واپس چڑھ گئیں۔ ماہا نے تیزی سے انہیں واپس آتے دیکھا۔
"کیا ہوا امی!"
"ارے مجھے تو لگتا ہے۔ بھابھی کے دماغ پہ اثر ہو گیا ہے۔"
انہوں نے ابھی ابھی سنی گئی بات اور وہ بے ہودہ رویہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ ماہا خود بھی سکتے میں آ گئی۔
"کیا ہو گیا ہے تائی امی کو۔ بھلا کوئی خود سے اس طرح کہتا ہے۔" ماہا کی بڑبڑاہٹ بس یہیں تک تھی۔
نیچے سے اب کسی قسم کی باتوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا تائی اماں کو جو کچھ کہنا تھا۔ وہ کہہ کر خاموش ہو چکی تھیں۔
اب فیصلے اور وہ بھی فوری فیصلے کا بار انس اور ماہا کے ناتواں کندھوں پر تھا اور یہ بوجھ کتنا وزنی تھا۔ امی کو ان دونوں کی اتری صورتوں سے اندازہ ہو گیا۔ جب ذرا دیر بعد وہ لوگ ڈھیلے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر چلے آئے۔
باقی کا سارا وقت ماہا اور حسیب کی رخصتی کے لیے جو بھی ڈسکشن اور پلاننگ کی گئی۔ انس نے اس میں ہوں ہاں سے زیادہ حصہ نہیں لیا۔
ماہا کا دل چاہا۔ ابھی جا کر تائی امی کو دو چار تو ضرور ہی کھری کھری سنا دے۔ وہ آفس کی طرف سے آنے والی پریشانی کی وجہ سے پہلے ہی کسی بات میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ تائی امی کے چھوڑے گئے پٹاخے نے تو لگتا تھا اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی چھین لی ہیں۔



وہ کتنی ہی دیر اپنے جڑواں بھائی کو بے یقین نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔
"مجھے یقین نہیں آ رہا میری زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ تم نے بتانا تک گوارا نہیں کیا مجھے۔" کافی دیر تو یونہی بات کرنے کے لیے لفظ تلاشتے ہوئے گزر گئی۔
سوہا کے اندر تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ آج وہیں رک گئی۔ کچھ تو بات کرنی ہی تھی۔ مگر وہ بولا تو بس اتنا۔
"میرا زندگی میں کبھی بھی نائلہ کو ہمسفر بنانے کا ارادہ نہیں تھا انس!"
"تو کیا پھر کوئی اور۔" انس کو لگا اس سے کہیں کچھ بہت غلط ہو گیا ہے۔
حدید نے اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے تو دھیرے سے نفی میں سر ہلا کر جو جھکا لیا۔ وہ جتنا بھی خود غرض بن جاتا۔ مگر اتنا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کا سر خالہ جان کے آگے جھکا دیتا۔

"کوئی اور تو نہیں' کم از کم نائلہ یا اس جیسی کوئی اور بھی نہیں۔" دل نے دہائی دی۔ اس نے نظر انداز کر دی۔
انس سامنے ہی ہارا ہوا سا بیٹھا تھا۔ ایک وعدہ وہ کر آیا تھا جسے حدید کو اب تا زندگی نبھانا تھا۔
ایک محبت اس کے دل میں پھوٹی تھی جو فوراً "خزاں رت کی اداسی کی زد میں آگئی تھی۔ اسے اب اس سوکھی اجڑی محبت کی نوخیز کونپل کو دل کے اندر ہی کہیں دفن کرنا تھا۔ کام مشکل تو تھا مگر ناممکن نہیں۔
"ٹھیک ہے۔ انہیں کوئی مناسب دن اور وقت طے کر کے بتا دو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"



اک تو بلم میرے پاس نہیں
دوجے ملن کی کوئی آس نہیں
اس پہ یہ ساون آیا آگ لگائی
ہائے کیسی جدائی

نیلے گگن پر کہیں بادل تھے نہ بارش کے آثار لیکن 'ایک جھڑی جو اس کے اندر لگی تھی سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا کرے۔
وہ مسہری پر اجڑی ہوئی حالت میں بیٹھی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔
"کسے خبر تھی زندگی نے کیسی گھات مجھے منہ کے بل گرانے کے لیے لگا رکھی ہے۔" زہریلی سوچوں کے کوڑے ضمیر پر برس رہے تھے۔
"کیا میں جانتی تھی 'میں خود اپنے بہن کی دل کی نگری اجاڑنے کا سبب بن جاؤں گی۔" پژمردہ اعصاب اور تھکن زدہ وجود فریادی تھا۔
"کاش اے کاش! حدید تم انکار کر دو۔ میں نے خدا سے بہت دعا کی تھی کہ قسمت کی جو تاریکیاں میرا پیچھا کر رہی ہیں ان سے میری جان چھڑا دے مگر اس طرح.... اس انداز میں۔"
"تو اور تم کر بھی کیا سکتی ہو۔" آئینے میں ایک دوسری نائلہ روپ بدلے کھڑی تھی۔
"جس ذلت کو گلے کے ہار بنانے چلی تھیں تم۔ وہی ناگ بن کر ڈسنے لگی تو اب اس کا پھن کچلنے کا اس سے بہتر موقع اور کہاں ملے گا تمہیں۔ شکر کرو کہ اللہ نے تمہاری دعائیں سن لیں۔ تمہاری بوڑھی ماں اور بیمار باپ کے سر میں مٹی پڑنے سے بچ گئی۔" وہ نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دھتکار رہی تھی۔
"ورنہ تم نے کیا کوئی کسر چھوڑی تھی۔ اب اگر خدا تمہارا پردہ رکھ رہا ہے۔ تو حالات کو ان کے دھارے پر چھوڑ دو۔ ورنہ کہاں جاؤ گی تم۔ اپنی داغ دار عزت کی چادر کو سنبھال کے۔ یہاں تو قدم قدم پر ایسے کتنے ہی بھیڑیے اپنے جبڑے پھاڑے۔ نوکیلے دانت نکالے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ بھنبھوڑ ڈالیں گے تجھے اور بوٹی بوٹی کر کے کھا جائیں گے۔ چپکی بیٹھی رہو اور خدا کے حضور شکرانے کے نفل ادا کر کہ اس نے تیرے لیے رحمت کا فرشتہ بھیج دیا۔ تیری عزت کا چادر اور چھپر چھاؤں بنا کے۔"
نائلہ کے ساکت وجود میں معمولی سی جنبش ہوئی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر گرم آنسو صاف کیے اور منہ دھونے چلی گئی۔
عفت نے اسے باتھ روم جاتے دیکھا وہ 'رات کے کھانے کے بعد برائے نام برتن دھو رہی تھی۔ رات کا کھانا اماں' ابا اور خود اس نے بھی محض نام کرنے کو ہی کھایا تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔
اسے ہمیشہ سے پتا تھا کہ اس کی بہن خود غرض فطرت کی ہے۔ لیکن یہ خود غرضی اتنی بڑھ جائے گی کہ وہ جانتے

بوجھتے ایسی حرکت کرے گی۔ اماں نے یوں اتنی اچانک اتنی بڑی بات اسے بتائے بغیر یا پوچھے بغیر تو نہ کی ہوگی۔ دکھ سے اس کے دل کی زمین بنجر سی ہو رہی تھی۔

پانی میں بھیگے ٹھنڈے ہاتھوں سے اس نے آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اگر یہ جوڑ آسمانوں پر یوں لکھا ہے۔ تو کون روک سکتا ہے۔"

ہر شے سے اچاٹ ہوتے دل کو ایک بہت گھسی پٹی دلیل دے کر اس نے بہلانا چاہا پھر ناکام ہو کر آنسو صاف کرتی' باورچی خانے میں داخل ہوتی اماں کو نظرانداز کر کے تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔



شادی کی باتیں ماہا کی چل رہی تھیں۔ لیکن قسمت نے اس تیزی سے الٹ پھیر دکھایا کہ نائلہ دو دن کے اندر اندر رخصت ہو کر اس آنگن میں اتر آئی جہاں' آپنے کے خواب تو اس نے ہمیشہ دیکھے تھے مگر کسی اور شخص کے حوالے سے اور رخصت ہو کر اس آنگن میں اتری تھی تو دل کی کیفیت ہی اور تھی۔

اپنی بہن کی خوشیاں اجاڑنے کا احساس پشیمان کیے دیتا تھا۔ تو اس سے ہونے والا مستقل سامنا بھی خاصا پریشان کن تھا۔

اپنی ناقابل معافی و تلافی حرکت کو چھپانے کے لیے اماں نے جو فی الفور نکالا تھا۔ وہ خود اس کے لیے تو ناقابل قبول تھا ہی مگر' اس کے ساتھ ساتھ اور کتنوں کا دل اجاڑنے کا سبب بن گیا تھا۔ اس سے بھی بہت سے لوگ ناواقف تھے۔

حدید کے لیے بھی نائلہ کو اپنی بیوی کے روپ میں قبول کرنا ایک کٹھن امر تھا۔ بھائی کے جھکے ہوئے سر کو اٹھانے کے لیے اس نے زندگی بھر پہ محیط ایک خواہش کا گلا گھونٹا تھا۔ جس کے بدلے میں اسے ملی تھی وہ' جو اس وقت کمرے میں سر جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔

نہ کوئی شرمگیں انداز تھا۔ نہ حجاب آگیں مسکراہٹ۔

ایک سپاٹ سا انداز تھا۔ زیور کے نام پر اگر کچھ اضافی تھا تو' دو چوڑیاں اور بس۔ یہ چوڑیاں ان کی امی نے دونوں بہوؤں کے لیے رکھی تھیں۔ پہلے سوہا نے پہنی تھیں۔ بعد میں عفت کو پہنانے کی خواہش تھی۔ مگر اب وہی چوڑیاں نائلہ کی کلائی میں پڑی تھیں۔

اسے رخصت کروا کے حدید ہی گھر لایا تھا۔ سوہا اپنی امی کے یہاں ہی رک گئی تھی اور اس نے انس کو بھی وہیں روک لیا تھا۔ گھر میں اس کے استقبال کے لیے کوئی نہ تھا۔ ایک طرح سے یہ سوہا کی طرف سے زیادتی ہی تھی۔ مگر نائلہ کے دل کو اب ایسی باتوں کی پروا کہاں تھی۔

"کپڑے چینج کر لو تم۔"

حدید کمرے میں آکر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ اور بڑے سرسری انداز میں اسے بولا۔

جیسے ان کا نکاح اور نائلہ کی آمد روزمرہ کا معمول ہے۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے ساتھ لایا ہوا بیگ کھنگالنے لگی۔ جانے کہاں سے وہ بھولے بھٹکے آنسو پلکوں کا رستہ ڈھونڈتے دہلیز پر آن رکے۔ وہ جانتی تھی کہ نکاح بھلے یونہی سادگی سے ہوا ہو تا لیکن اس کی جگہ اگر عفت ہوتی تو حدید کے رنگ ہی اور ہوتے۔

کپڑے بدل کے وہ واپس کمرے میں آئی تو وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"ایسا کرو۔ مجھے نیم گرم دودھ دے دو۔ تم بھی پی لینا۔" نیکسٹ آرڈر۔ دودھ گرم کرتے اور پھر ٹرے میں سجا کے اس کے سرہانے رکھتے ہوئے اس کے دل نے کتنے بے شمار خیالات یہاں سے وہاں تک پھیلا کر سمیٹے۔

حدید بہت دھیان سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے الجھن سی ہونے لگی۔
"کچھ اور چاہیے آپ کو۔" اپنے تئیں اس نے نتیجہ نکالا۔
"نہیں بس۔ یہاں آ کے بیٹھو میرے پاس۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نائلہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں۔ وہ اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔
وہ دھڑکتے دل کے ساتھ تکلف سے ٹک گئی۔



سوہا کا امی کے گھر قیام طویل ہو گیا۔
اب نائلہ وہاں تھی تو اسے گھر، انس اور حدید کی طرف سے بے فکری سی ہو گئی تھی۔
ماہا کی رخصتی کی تاریخ نزدیک تھی۔ اس کی تیاریاں بھی اسی زور و شور سے جاری تھیں۔ بالآخر وہ دن بھی آیا جب ماہا حبیب کے سنگ رخصت ہو کر پیا دیس سدھار گئی۔
تقریب میں نائلہ نے مسز حدید کی حیثیت سے شرکت کی۔ خاندان کے دور کے رشتے داروں میں ابھی تک اس نئے رشتے کا انکشاف نہ ہوا تھا۔ جب پتا چلا تو سب نے ہی کتنی طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ نائلہ سپاٹ چہرے کے ساتھ سب سنتی رہی۔ اماں البتہ گونا گوں اطمینان محسوس کر رہی تھیں۔
وہ رب کائنات کے حضور جتنا بھی شکر ادا کرتیں کم تھا۔ جس نے ان کو پورے خاندان کے سامنے تماشا بننے سے اس وقت بچایا جب ان کے خیال میں 'وہ خدا سے ہر قسم کی امید ختم کر چکی تھیں۔
اپنی زندگیوں میں ایک دوسرے کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرنے اور سامنے والے کی حیثیت کے مطابق اسے جگہ اور عزت دینے میں دونوں کو ہی کچھ وقت لگا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ دونوں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔ کہ قسمت میں جو بات جس طرح لکھی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہو کر رہتی ہے۔
یہی سوچ کر حدید نے ماہا کی شادی میں پہننے کے لیے نائلہ کو شاپنگ کروائی۔ نائلہ نے بھی جب سے اس گھر میں آئی تھی۔ حتی المقدور حدید کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت تیزی سے ری کور کر گیا تھا۔
اس نے آفس جانا بھی شروع کر دیا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک ہی تھا مگر پھر بھی ایک سرد سی کیفیت جو دونوں کے مزاجوں کو گھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ اس سے نکلنا دونوں کے ہی بس میں نہ تھا۔ نہ دونوں میں سے کسی ایک نے بھی دوسرے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔
بس ایک چھت کے نیچے دو لوگ جو ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ساتھ زندگی گزارنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور چاہتے تھے اسی طریقے پر عمل پیرا رہ کر پوری زندگی گزر جائے اور سامنے والے کو شکایت کا موقع بھی نہ ملے۔



وہ جب سے لان میں آئی تھی عفت کو ڈھونڈ رہی تھی۔ خاندان کے سبھی لوگ اس سے ملنے کے مشتاق تھے۔
آج وہ تیار بھی ذرا اہتمام سے ہوئی تھی۔ کلائیوں میں بھری چوڑیاں، ماتھے پر بندیا اور بالوں میں گجرے۔ تھی تو سگی بہن مگر عفت کے اندر اسے دیکھ کر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔
شاید یہ خوش گمانی کا وہ آخری آبگینہ تھا۔ جو محض اس لیے ابھی تک سالم تھا کیونکہ نائلہ جب سے رخصت ہو کر گئی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اماں یا کسی اور کو اپنی خوشی کا یا خوش ہونے کا عندیہ نہیں دیا تھا۔
عفت اتنی خود غرض نہیں تھی کہ بہن کو ناخوش دیکھ کر اطمینان حاصل کرتی۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں نائلہ کی

کھنکتی چوڑیوں میں' اس کے مہکتے گجروں میں شوخ رنگ کی لپ اسٹک سے سجے مسکراتے لبوں میں کہیں نہ کہیں اس دشمن جاں کی محبت تھی ضرور۔

اس نے یک لخت ہی دل کو کئی حصوں میں بٹتے دیکھا اور پھر پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی' سب سے آخری میز کی سب سے اندھیرے والی کرسی پر جا بیٹھی۔

وہ نائلہ سے ملنا نہیں چاہتی تھی وہ اس کا سامنا بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ حدید سے محبت کرنے کا حق کھو چکی تھی۔ اس کے لیے یہ ہار ہی کافی تھی۔ پھر کیا ضروری تھا کہ اس کی بیوی اس کی اپنی سگی بہن ہوتی۔

"کیا میں اس شخص کو کبھی اپنے بہنوئی کا درجہ دے پاؤں گی جیسے ہمیشہ جیون ساتھی کے روپ میں دیکھا اور حدید۔"

اس کے دل میں کیا تھا وہ' کیسے جان پاتی۔ نہ کوئی وعدے تھے۔ نہ پیمان نہ قسمیں۔ اور سامنے سے اس کی بہن چلی آرہی تھی۔ سجی سنوری۔ نو بیاہتاؤں والے تمام سنگھار خود پر آزمائے ہوئے۔

عفت نے اس سے نظریں ٹکرانے سے پہلے ہی چہرہ واپس موڑ لیا۔ مگر تاب کے۔ وہ اسے ڈھونڈ ڈھانڈ کر واپس چلی گئی تو' خاندان کی کوئی اور لڑکی اس کے سامنے تھی۔

"آپ کو سب اسٹیج پر بلا رہے ہیں۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں جائیں۔" مرے مرے قدموں سے بمشکل خود کو گھسیٹتی وہ اس طرف آئی تھی۔

فوٹو گرافر مہارت سے تصویریں اتارنے میں مصروف تھا۔ ماہا اور حسیب کی جوڑی خوب جچ رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں نظر اتاری۔

دائیں طرف سہا اور انس ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ بائیں جانب نائلہ اور حدید۔ حدید جھک کر نائلہ کے کان میں کیا کہہ رہا تھا۔ عفت نے اپنے لبوں پر زبردستی سجائی مسکراہٹ کو اس کے لبوں پر اترتے دیکھا۔

کتنا مکمل منظر تھا۔ سب خوش باش تھے۔ ایک سوائے خود اس کے۔ عفت نے اس سے خود کو بے حد اکیلا اور ادھورا محسوس کیا۔



"کہاں تھیں تم سارا وقت۔ میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی۔" نائلہ کے انداز میں کہیں بھی شوخی نہیں تھی۔

ماہا کی رخصتی عمل میں لائی جا چکی تھی۔ چچی جان اور سہا اس سے لپٹ کر خوب رو چکنے کے بعد اب' حدید اور انس کے پاس بیٹھی ان کے چٹکلوں پر ہنس رہی تھیں۔

عفت نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم خود بھی تو ایسی غائب ہوئیں کہ پلٹ کر آئی ہی نہیں۔ ایسے بھی کوئی پرایا ہوتا ہے۔" عفت نرمی سے کہتے ہوئے مسکرا دی۔

"کیا کروں۔ حدید کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا کہیں لانے لے جانے کا۔" عفت کو اس کا انداز کھویا کھویا سا لگا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ تم خوش ہو۔"

"پتا نہیں خوش ہونا کسے کہتے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ اس کی نظریں دور سہا کے پاس کھڑے حدید پر جمی تھیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" عفت کو اسے واپس حال میں لانا پڑا۔
"کوئی نہیں میں تو بس ویسے ہی۔" نائلہ سر جھٹک کر مسکرادی۔
"اگر ٹائم ملا تو ہفتے کو آؤں گی گھر۔ پھر رات میں رک جاؤں گی۔ پھر ہم لوگ خوب ساری باتیں کریں گے۔ رات میں جاگیں گے۔"
اس کے لہجے اور آواز میں ایکسائٹمنٹ کا وہ عنصر مفقود تھا۔ جو نئی نویلی دلہن کے اپنے میکے میں پہلی رات گزارنے پر اس کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔
"تم کرنا باتیں۔ میرے پاس تو کوئی بات ہی نہیں بچی۔" عفت اداسی سے مسکراتے ہوئے جیسے خود سے بول رہی تھی۔
نائلہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔



ولیمہ کی تقریب ماہا اور حسیب کے ساتھ ہی رکھی گئی تھی۔ خاندان والے جہاں ماہا کی اتنی جلدی رخصتی پر حیران تھے۔ وہیں حدید اور نائلہ کے اتنے چپ چپاتے نکاح کی خبر سب ہی کے لیے سرپرائز تھی۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔
ایکسیڈنٹ کے بعد ہونے والی آفس لیوز کی وجہ سے حدید کو نہ نکاح والے دن چھٹی ملی نہ اس کے بعد۔ وہ ایک نئی بندھی روٹین کے تحت صبح آفس جاتا جہاں سے شام کو واپسی ہوتی اور کھانے کے بعد سونا۔
ہاں اگر اس روٹین میں کوئی معمولی سی رودبدل ہوئی بھی تھی۔ تو صرف یہ کہ اب اس گھر میں اس کے کاموں کو ذمہ داری سے سرانجام دینے کے لیے نائلہ موجود تھی۔ ایک مٹی کی مورت۔ جو دن بھر ایک سپاٹ سا تاثر چہرے پر سجائے صبح سے شام تک کام میں لگی رہتی۔
سوہا گھر واپس آچکی تھی۔ یوں اس کی ذمہ داری اس پر سے ہٹ تو گئی مگر وہ پھر بھی خود کو جان بوجھ کر کاموں میں مصروف رکھتی اور یہ مصروفیت حدید کی آفس سے واپسی پر بھی کم نہ ہوتی۔
فراغت کے لمحے بہت مشکل سے میسر آتے۔ تو وہ چپ چاپ حدید کے پاس سر جھکا کر بیٹھ جاتی۔ یا اس کی ٹانگ کی مالش کرتی رہتی۔
حدید نے شادی سے پہلے اگر اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہوتا تو بہت جلد اسے اپنی طرف مائل کر لیتا مگر اس کا تو معاملہ ہی الٹ گیا تھا۔ چاہا تو کسی اور کو تھا۔ اس سے تو وہ ایک بار بھی یہ بات نہ کہہ سکا۔ اور بن مانگے مل گیا کوئی اور۔
نہ اس طرف کوئی شوق تھا نہ اس طرف کوئی اصرار۔
نئی زندگی کا خوب صورت ترین آغاز ہی بے حد عام سے انداز میں ہوا تھا۔ انجام کی کس کو خبر تھی۔
بس وہ یہ جانتی تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ لیکن اس بچے کا باپ حدید نہیں ہے۔ جب رات اپنے سیاہ پروں سے کائنات کو ڈھانپے اونگھ رہی ہوتی تو اس کی جاگتی آنکھوں میں خوف کا دورہ ہوتا۔
وہ کسی صورت کسی کی ناجائز اولاد کو دنیا میں نہیں لانا چاہتی تھی۔ ابھی یہ بات صرف اسے معلوم تھی یا اماں کو اور اس کا حل بھی یقیناً" خود اسی کو ڈھونڈنا تھا۔



گرما گرم کافی کے بھاپ اڑاتے مگ کو سامنے رکھے وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

"بس کریں اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔"

"نظر لگاؤں گا۔" اس کی نگاہوں کی طرح لہجے میں بھی وارفتگی تھی۔

"نظر پرائی چیزوں کو لگائی جاتی ہے۔ میں تو آپ کی اپنی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے محبت سے بولی۔

"ہاں تو میں کون سا بری نظر سے دیکھ رہا ہوں تمہیں' اپنی جو چیزیں انسان کو پسند ہوتی ہیں۔ ان پر نیت تو لگتی رہتی ہے نا۔" اسے زور سے ہنسی آگئی۔

"آپ کتنے ہنستے ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں نا۔ بہت۔"

حسیب کے انداز میں معنی خیزی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ماہا کی ہنسی بے قابو ہو گئی۔

ہر روز' روز عید اور ہر شب' شب برات ہونے کا حقیقی مطلب اسے اب حسیب کی سنگت میں سمجھ میں آیا تھا۔

اس نے شادی کے بعد ان چند ہی دنوں میں اسے اتنا پیار دیا تھا۔ اتنی چاہت دی تھی کہ ماہا کو دنیا اپنے قدموں تلے لگنے لگی تھی۔

حسیب اسے پا کر خوش تھا تو اس نے اپنی خوشی کو ذرہ بھر بھی ماہا سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ اپنی چاہتیں یوں بے حساب اس پر لٹائی تھیں کہ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

کل ان لوگوں کو دبئی فلائی کرنا تھا اور آج شام امی کے گھر پر دعوت تھی۔ وہ اس میں پہننے کے لیے کپڑے نکالنے اٹھ رہی تھی مگر' وہ اٹھنے دیتا تب نا۔ جانے محبتوں کی کون کون سی شدتیں ابھی وارنا باقی تھیں۔



ماہا اور حسیب کے ساتھ ہی ماہا اور نائلہ کی بھی دعوت تھی۔ ماہا اور سوہا تو پہنچ گئی تھیں مگر نائلہ کے آنے میں ابھی دیر تھی۔ انس نے ایک بار حدید کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ خود تو تیار ہے۔ نائلہ البتہ نہانے گئی ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں' ہم بس پہنچتے ہیں۔" انس کی تسلی کروا کر اس نے فون بند کیا تو نائلہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے تم اتنی دیر کیوں لگا رہی ہو۔"

"آپ میری وجہ سے کیوں لیٹ ہو رہے ہیں۔ آپ جائیں۔"

"کیا مطلب۔ تم نہیں جا رہیں۔"

"نہیں۔" وہ اطمینان سے بال کھول کر سنبھالنے لگی۔

حدید اسے الجھن سے دیکھنے لگا۔ اسے نائلہ کی اکثر باتوں سے ایسی ہی الجھن محسوس ہوتی تھی۔ جیسے وہ اب تک کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔

"کیوں نہیں چل رہیں تم۔"

"میری طبیعت خراب ہے۔"

"پھر تو ضرور جانا چاہیے۔ بہنوں سے ملو گی تو دل بہل جائے گا۔"

وہ نائلہ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہاں پر سب ہی اس سے پوچھتے اور کوئی نائلہ کی طبیعت خرابی کے بہانے پر یقین نہیں کرتا کہ انس اور سوہا ابھی اسے بھلا چنگا بلکہ دعوت کی تیاریوں میں مصروف چھوڑ کر گھر سے نکلے تھے۔

"آپ بہلا لیجیے گا اپنا دل میری بہنوں سے مل کر۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔" اس نے بے زاری سے کہہ کر اپنا سابقہ مشغلہ جاری رکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے۔" حدید چاہتا تھا تو بات کو رفع دفع کر سکتا تھا۔ جیسا کہ شادی کے پہلے دن سے کرتا آرہا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

"میرا کوئی ذو معنی مطلب نہیں اس بات سے۔ میں ڈبل مینگ باتیں نہیں کرتی۔" وہ حدید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ حدید اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں نے کب کہا کہ تم کرتی ہو۔"

"تو پھر مطلب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں تھا بات تمہاری۔ تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔"

"اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔ میں نہیں جاؤں گی۔ آپ کا دل ہے آپ جائیں۔"

حدید ایک بار پھر چپ ہو کے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اطمینان سے کنگھا کرتی رہی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ نائلہ سے بحث کرنا بے کار ہے۔

"او کے۔" وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔



گھر پر سب ان ہی دونوں کے منتظر تھے۔ مگر حدید کو اکیلا آئے دیکھ کر سب کے احساسات عجیب سے ہو گئے۔

"نائلہ..... نہیں آئی۔" سوال تو سب کے دلوں میں تھا۔ زبان پر صرف اماں کی ہی آیا۔

"جی وہ اس کی طبیعت بالکل اچانک ہی خراب ہو گئی تھی۔" اس کا لہجہ رکا رکا سا تھا اور نظریں کچن میں کام کرتی عفت کے وجود پر جمی تھیں۔

"خدا خیر کرے۔ سب خیریت تھی نا۔" امی بھی سن کر فکر مند سی ہو گئیں۔

"جی بس وہ کچھ سستی سی آرہی تھی تو....."

وہ راستے بھر سوچتا ہوا آیا تھا کہ گھر جا کر نائلہ کے بارے میں کیا کہے گا پھر بھی اس وقت جھوٹ بولتے ہوئے زبان لڑکھڑا سی گئی۔

عفت سارا وقت سر جھکائے کام میں لگی رہی اور نظریں عفت کے آگے پیچھے لگی رہیں۔ اسے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اب کسی اور کا شوہر ہے۔ خیال آ بھی کیسے سکتا تھا۔ خیال دلانے والی ہی ساتھ نہیں تھی۔ اپنی مرضی سے اور وہ خود بھی اسے بہت دور کہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

نائلہ نے بال سلجھا کر ڈھیلے ہی باندھ لیے۔ حدید گھر سے جا چکا تھا۔

وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھ کر اطمینان کرتی رہی کہ اس کی بائیک گلی سے نکل گئی ہو گی۔ پھر اٹھ کر تیزی سے اپنی شال اوڑھ کر دروازے پر تالا لگایا اور باہر نکل گئی۔

اس کی قدم چند گلیاں چھوڑ کر آگے موجود فیملی پلاننگ اور ہیلتھ کیئر سینٹر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

چند دن پہلے تک ایک کنواری لڑکی کو وقت اور حالات نے اتنا شعور اور آگاہی دے دی تھی۔ کہ وہ اپنی غلطی سے جس مشکل میں پڑ چکی تھی۔ اب ہاتھ پیر چلا کر اس مشکل سے نکلنے کی تدبیر کرنے چلی تھی۔



دعوت سے واپسی پر ماہا' سوہا' امی اور عفت کے گلے لگ کر خوب روئی۔ یوں لگتا تھا اصل' رخصتی آج ہو رہی ہے۔ کل اسے دبئی چلے جانا تھا۔

سوہا اور انس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگ اسے ایئرپورٹ چھوڑنے ضرور آئیں گے۔ حسیب بھی کافی دیر تک امی

کو دلاسا دیتا رہا۔
اپنی بیٹی کو اتنی دور پرائے دیس بھیج دینے کا خیال بہت روح فرسا تھا۔ ماما کو خود بھی اب صحیح معنوں میں احساس ہو رہا تھا کہ وہ سب سے کس قدر دور جا رہی ہے اور کتنی اکیلی ہو جائے گی۔ خوف اور اجنبیت کی ایک ملی جلی کیفیت اس پر طاری تھی۔
واپسی کے لیے اٹھتے اٹھتے کافی رات ہو چکی تھی۔
عفت تو کھانا کھاتے ہی نیچے چلی گئی تھی۔ ہاں البتہ برتن اس نے سارے سمیٹ کر سنک میں ڈھیر کر دیے تھے اور امی کو اطمینان دلا دیا تھا کہ سب میں صبح آکر دھو جاؤں گی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا بھی وہ اوپر واپس نہیں آئی۔ پہلے نماز اور بعد میں ابا کا بہانہ کر کے معذرت کر لی۔
حدید باقی کا سارا وقت اس کی کمی محسوس کرتا رہا۔ اس نے گفتگو میں بھی بہت زیادہ حصہ نہیں لیا۔
انس نے اس کی خاموشی کو بہت محسوس کیا اور اس نے اسے نائلہ کی غیر موجودگی پر محمول کیا۔

✡ ✡ ✡

رات گئے ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔ سوہا حسب معمول اور حسب توقع میکے میں ہی رک گئی تھی۔ نائلہ دروازہ کھول کر چپ چاپ کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔
حدید نے کمرے میں جا کر بستر پر دراز اس کا وجود دیکھا۔ پھر دھیرے سے چلتا ہوا پاس آ گیا۔
"اب کیسی ہے طبیعت۔" اس نے نرمی سے پوچھا۔ جانے کیوں نائلہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
آج ہیلتھ کیئر سینٹر میں لیڈی ہیلتھ ورکر کے ہاتھوں جو ذلت اٹھانی پڑی۔ وہ صرف وہ خود جانتی تھی یا پھر اللہ وہ بھول کر بھی وہ وقت یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے جلدی سے اٹھ بیٹھی۔
حدید کو اس کے چہرے سے کچھ غیر معمولی سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھنے لگا۔
"اس لیے کہا تھا ساتھ چلی چلو۔ اکیلے میں یقیناً" دل گھبرا گیا ہو گا۔ ہے نا۔" نائلہ نے ایک نظر اسے دیکھ کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"ہاں بس یونہی۔ آپ سنائیں۔ کیسی رہی دعوت۔" اس نے ہتھیلیاں چہرے پر رگڑ کر زبردستی بشاشیت پیدا کرنی چاہی۔
"اچھی رہی۔ تم بھی چلی چلتیں تو۔۔۔"
"اوفوہ! پھر وہی بات۔ کتنی بار کہہ چکی ہوں میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ آپ پتا نہیں کیوں میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔"
وہ بے طرح چڑ کر بیڈ سے اٹھی اور دھم دھم کرتی باہر نکل گئی۔ حدید کی بات ہونٹوں میں رہ گئی۔
وہ نائلہ کے مزاج کی برہمی کی وجہ بھی نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔

✡ ✡ ✡

"سوہا رات کو پھر گھر نہیں آئی وہیں رک گئی۔" حدید کو ناشتا دیتے وقت بھی اس کا موڈ سدھر نہیں سکا تھا۔
"ہاں شاید انس بھی چھٹی کرلے گا آفس سے۔"
"ٹھیک ہے آپ ان سے کہہ کر جائیے گا۔ کہ ناشتا اپنے سسرال جا کے کریں۔"
"پاگل ہو گئی ہو۔ بہت اچھا لگے گا۔ کہتے ہوئے۔"

"ہاں توان کو خود خیال ہونا چاہیے نا۔" اس نے غصے میں کیتلی سنک میں پٹخی۔
"میں آپ کے جانے کے بعد سوؤں گی۔ یا ان کے جاگنے کا انتظار کروں گی۔ ناشتا دینے کے لیے۔ مہارانی کو اتنا خیال نہیں کہ یہاں اس کے میاں کو کھانے پینے کی مشکل ہوگی۔"
"تو تم کاہے کے لیے ہو۔ تم دے دینا۔" حدید کو اس کی اونچی آواز تنگ کر رہی تھی۔
"کیوں میں کیا ان میاں بیوی کی نوکر لگی ہوں جو کھانے اور ناشتے کی ٹرے سجا سجا کر ان کے سامنے رکھتی رہوں اور وہ وہاں اپنی اماں کے گھر عیش سے پڑی رہے۔"
"آہستہ بولو سن لے گا انس۔ کتنا برا لگے گا اسے۔" حدید نے اسے ٹوکا۔
"لگتا ہے برا تو لگے۔ میں کوئی غلط بات نہیں کر رہی۔ ٹھیک ہے اگر آپ نہیں کہہ سکتے تو میں کہہ دوں گی۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی بات کہنے کی تمہیں۔"
"تو ٹھیک ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔ آپ ابھی جائیں تو ان کو اٹھا کر یہ کہتے ہوئے جائیے گا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔" نائلہ زور زور سے بولتی ہوئی اپنا چائے کا کپ اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔
حدید اپنا کپ لے کر کچن سے نکلا تو انس وہیں آرہا تھا۔ دونوں نے دل ہی دل میں اپنی جگہ بے حد شرمندگی محسوس کی۔
"پتا نہیں کیا ہوا ہے نائلہ کو۔ بہت چڑچڑی ہو رہی ہے۔" وہ شرمندہ سا ہو کر انس کو صفائی دینے لگا۔
"انس او کے۔ وہیں تو جانا ہے۔ میں ناشتا وہیں کرلوں گا۔ تم حسیب کو سی آف کرنے ایئرپورٹ ضرور آجانا۔" وہ اسے تاکید کرنا نہیں بھولا تھا۔



ماہا حسیب کے ساتھ دبئی سدھار گئی۔
سوہا اور عفت نے نمناک نظروں سے اسے رخصت کیا اور امی نے ڈھیروں خلوص بھری دعائیں ان کے سنگ کردیں۔
سوہا انس کے ساتھ ہی گھر واپس آگئی۔
حدید آفس سے ٹائم نکال کر وہاں پہنچا مگر واپس وہیں سے آفس چلا گیا۔ حسب معمول تقریباً" سبھی افراد ایئرپورٹ پر تھے سوائے نائلہ کے اور اس کی کمی کسی نے محسوس نہیں کی۔ مگر حدید کو اس کی کمی بہت محسوس ہوئی۔
عفت کے دل میں نرم گوشہ رکھنے کے باوجود وہ یہ حقیقت دل سے قبول کر چکا تھا کہ نائلہ اس کی شریک سفر بن چکی ہے۔
اس کا مزاج ذرا تیکھا تھا۔ مگر وہ سچے دل سے چاہتا تھا کہ اپنی محبت سے اس کا دل جیت لے اور اسے ایک محبت کرنے والی باوفا شریک حیات کے روپ میں ڈھال لے۔ وہ نہیں جانتا تھا۔
جس عورت سے وہ وفا اور وفاداری کی امید لگا بیٹھا ہے۔ وہ اس سے پہلے اپنے جذبے کسی اور پر اور اپنی عزت کسی اور پر نچھاور کر بیٹھی ہے۔ پھر بھی یقیناً" زندگی میں کوئی نیکی کی تھی جو حدید جیسے باکردار شریف النفس شخص کی بیوی بن گئی۔ ہاں لیکن یہ بات سمجھنا مشکل تھی کہ اس کا ساتھ حدید کے لیے کسی ناکردہ گناہ کی سزا تھا یا کسی متوقع اجر کی آزمائش۔



دن اپنے معمولات پر واپس آکر تیزی سے گزرنے لگے۔
سوہا اور ماما کی فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ وہ وہاں خوش تھی اور اس کی خوشی میں یہاں اس کی ماں اور بہن۔

مگر سوہا کے لیے یہ گھر صحیح معنوں میں اب نائلہ کی آمد کے بعد سسرال واقع ہونے لگا تھا۔
سوہا امید سے تھی اور ان دنوں جتنی شدید گرمی لگتی اتنی ہی رج کے نیند آتی۔ جبکہ نائلہ نے اس گناہ کے بوجھ سے اپنے آپ کو بہت سہولت آسانی اور رازداری کے ساتھ آزاد کروالیا تھا۔
اتنا بڑا کام اس نے اتنی خاموشی اور مہارت سے کیا کہ جب اماں کو خبر دی تو وہ کتنی دیر منہ کھولے اسے تکتی رہ گئیں۔
"مجھے لگتا نہیں نائلہ کہ تو نے میرے بطن سے جنم لیا ہے۔" مارے حیرت کے وہ بس یہی کہہ سکیں۔ ان کی آواز میں دکھ ہی دکھ تھا۔
"کیوں! ایسے کون سے پہاڑ توڑ ڈالے میں نے۔"
"توڑ ڈالتی تو شاید مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔ پھر یہ تو بتا۔ جس کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس سے زندگی کیوں چھین لی تو نے۔" اماں افسوس زدہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔
"تو اور کیا کرتی۔ زندگی بھر کسی اور کی ناجائز اولاد کو حدید پر بوجھ بنا کر رکھتی۔" اس کی آواز میں ذرا کی ذرا نرمی لہرائی۔
"پر اسے کیا پتا چلتا۔"
"یہ تو اور بھی زیادتی ہوتی اس کے ساتھ اور میں کیسے برداشت کرتی۔ ایک دھوکے باز شخص کی جھوٹی نشانی کو وہ ایمانداری سے اپنی محبتیں اور توجہ دیے جاتا۔ اپنی اولاد سمجھ کے۔ مجھے بھی اللہ کو منہ دکھانا ہے اماں۔" اس کے چہرے پر تاریک رات اتر آئی۔
"اونہہ۔!" اماں ایک طنزیہ ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔
"خوف خدا کی ماری، کو تو دیکھو۔"
حقیقت یہ تھی کہ انہیں اپنی بیٹی سے اب برائے نام محبت رہ گئی تھی۔ سگی ماں ہونے کے باوجود اس نے اس ڈھلتی عمر میں جو رسوائی کا داغ دینے کی کوشش کی تھی۔ جسے انہوں نے بڑی دقتوں کے بعد دنیا والوں کی نظروں میں آنے سے بچایا تھا۔ اس کے بعد ان کا دل اس کی طرف سے کھٹا ہو چلا تھا۔
وہ خدا کے حضور بڑی شدت سے دعا گو رہتی تھیں۔ کہ عفت کا معاملہ بھی جلدی سے بن جائے تو وہ سکون سے آنکھیں موند لیں۔
اپنے خاوند کی مستقل معذوری اور وقت سے پہلے بڑھاپے کی وجہ سے پہلے ہی بڑے سخت حالات جھیلے تھے۔ اوپر سے نائلہ کی طرف سے لگنے والی کاری ضرب نے جیسے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔



مندی مندی آنکھوں اور بے حد سست رفتاری سے وہ کچن میں انس کا ناشتا تیار کر رہی تھی۔ نائلہ نے صبح صبح اٹھ کر ٹی وی چلایا ہوا تھا اور بڑے صبر سے اس کے کچن سے نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔
حدید اور انس آفس جانے کی تیاریوں میں تھے اور وہ جانتی تھی سوہا ناشتا بنا کر رکھتے ہی اوپر سونے چلی جائے گی۔ یہی ہوا سوہا ناشتے کی ٹرے لے کر نکلی اور لاؤنج میں رکھ کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اسی وقت حدید تیار ہو کر کمرے سے

نکلا۔ نائلہ پھرتی سے اٹھی۔
"آپ ناشتا کریں میں انس کے لیے دوسرا بناتی ہوں۔"
اسے آج بھی انس کے نام کے ساتھ باتی کا لاحقہ لگانے میں وقت ہوتی تھی۔
اس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ حدید بھی جلدی میں تھا وہیں بیٹھ گیا۔
انس جب نیچے آیا تو نائلہ ابھی ناشتا تیار کر رہی تھی۔ جبکہ حدید بائیک نکال رہا تھا۔
"بیٹھیں آپ۔ میں ناشتا لا رہی ہوں۔" اس کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔
انس ایک گہری سانس بھر کر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں وال کلاک پر تھیں۔ نائلہ نے اپنے تئیں کافی تیزی سے ناشتا تیار کر کے اس کے سامنے لا کر رکھا تھا۔ پھر بھی اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا موڈ بگڑ چکا ہے۔ وہ ماتھے پر شکن ڈالے چپ چاپ تیزی سے نوالے نگلنے لگا۔ جبکہ نائلہ کچن سمیٹتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔



وہ ایک خوب صورت چھوٹا سا صاف ستھرا اور قدرے سجا ہوا اپارٹمنٹ تھا۔ دیارِ غیر میں ایک گوشہ عافیت ' ماہا حسیب کی محبتیں پا کر اس کی شدتوں میں کھو سی گئی تھی۔ اب جو اپنے گھر کے مالکانہ استحقاق ملا تو سرشار سی ہو گئی۔
اس قدر اپنائیت 'چاہت 'مان اور خلوص۔
اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ حسیب اسے اس قدر محبت دے گا۔ اتنی چاہ سے اس نے ماہا کا ہاتھ مانگا تھا۔ ماہا کو اندازہ ہی نہ تھا۔
اس کی سنگت میں بیتنے والے شب و روز جیسے کسی خواب کا تسلسل تھے۔ بعض اوقات اسے لگتا 'پلک جھپکی تو یہ حسین خواب ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔
"ایسا بھی کیا خاص ہے مجھ میں میں کب تھی اس قدر چاہت کے قابل۔" وہ اس کی شدتوں کا فخر پا کر اترا اترا جاتی۔
حسیب واقعی ایک بے مثال شوہر ثابت ہوا تھا۔ بہت کم دنوں میں اس نے ماہا کو سر سے پیر تک اپنی محبتوں میں بھگو ڈالا تھا۔ اس کے لبوں سے ہمہ وقت ایک مسکراہٹ پھوٹی رہتی۔
دبئی آنے سے پہلے پاکستان میں ہی اس پر اس قدر نکھار آگیا تھا۔ کہ نگاہ ٹھہرتی نہ تھی اور یہاں آکر تو جیسے دونوں ایک دوسرے میں کھو سے گئے تھے۔
"پہلی نظر تم پر ڈال کر ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ جیون ساتھی بناؤں گا تو صرف تم کو۔" وہ کتنی ہی بار یہ بات اسے بتا چکا تھا۔
"ہمیشہ میری رہو گی نا۔ کبھی چھوڑو گی تو نہیں مجھے۔" وہ اظہار کے معاملے میں جتنا بے باک تھا ماہا اتنی ہی شرمیلی۔ وہ شرما کر سر نفی میں ہلا دیتی اور وہ اس کا مہکتا ہوا وجود خود میں جذب کر لیتا۔
زندگی نے ماضی میں اگر چند رشتوں کو اس سے چھین کر بے اعتباری کی سزا دی تھی۔ تو اب ماہا کو اس کی زندگی میں شامل کر کے یقیناً" اس کا ازالہ بھی کر دیا تھا۔ وہ خدا کے حضور جتنا بھی شکر گزار ہوتا کم تھا۔



سوہا اور انس میں جھڑپ ہو گئی تھی۔
انس بڑبڑ کرتا غصے میں گھر سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حدید سوہا کے پاس آیا۔ نائلہ شام میں امی کے

یہاں چلی گئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی تھی۔" سوہا صوفے پر بیٹھی سسک رہی تھی۔

سوہا نے اسے دیکھ کر جلدی جلدی چہرا صاف کیا۔ کچھ بھی تھا۔ اسے حدید کے سامنے انس سے ڈانٹ پڑنے یا جھڑکی کھانے پر شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔

رات کے دس بجے تھے۔

"خیر یہ کوئی کپڑے دھونے کا ٹائم تو نہیں۔ مگر نائلہ نے آج واشنگ مشین لگائی تھی میرے کپڑوں کے لیے تو تم اس سے کہہ دیتی نا۔"

"وہ خود کہہ رہی تھی کہ وہ دھو دے گی۔ میں کھانا کھا کر سو گئی۔ وہ کپڑے دھو کر کام سمیٹ کر چلی گئی۔ مجھے بتایا ہی نہیں کہ اس نے انس کے کپڑے دھوئے ہی نہیں۔ ابھی میں نے چھت پر جا کر دیکھا تو۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو جمع ہو گئے۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

حدید پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

جب نائلہ نے کہہ دیا تھا تو پھر دھوئے کیوں نہیں۔ گھر سے خالو جان کی اچانک طبیعت خرابی کی اطلاع آ گئی تھی۔ حدید گھر آیا تو نائلہ نے میکے جانے کی جلدی مچادی۔ اس وقت تک انس گھر نہیں پہنچا تھا۔ جب حدید واپس آیا تو انس اور سوہا میں تلخ کلامی جاری تھی۔

"چلو اٹھو جا کر ہاتھ منہ دھوؤ۔ میں دے دوں گا اپنے کپڑے۔ وہ کل کوئی میرا پینٹ شرٹ پہن جائے گا۔"

حدید نے سہولت سے اس کی مشکل حل کر دی۔ وہ سوں سوں کرتی منہ صاف کرنے لگی۔



انس کے خراب موڈ اور آئے دن سوہا کے ساتھ جھگڑوں کا سبب جلد ہی سامنے آ گیا۔ اس کی پروموشن جس کا اسے پچھلے چھ مہینوں سے انتظار تھا۔ کسی اور کے حصے میں لکھی گئی۔ مایوسی اور غصے کی انتہا پر جا کر وہ اس روز گھر واپس آیا تو سوہا گھر پر نہیں تھی۔

"وہ امی کے یہاں گئی ہے ان کے ساتھ۔" نائلہ کچن میں ہی تھی۔

"حدید کے ساتھ؟ ایسی کیا آفت آ گئی تھی کہ اس کا جانا ضروری تھا۔"

"پتا نہیں مجھے کہہ رہی تھی شاید کپڑے سل کر آ گئے ہیں۔ وہ لینے تھے۔"

نائلہ نے جلدی جلدی چائے بنا کر کپ میں انڈیلی اور اس کے کمرے میں لے گئی۔ انس نہا دھو کر نکلا تو گرما گرم چائے کا کپ اور ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ فریش سی نائلہ وہیں موجود تھی۔

انس بیڈ پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ وہ پاس پڑے صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھے گئی کتنا مکمل منظر تھا۔

آفس سے واپسی پر نہا دھو کر نکھرا ہوا شوہر اور ایک سجی سنوری چائے کے کپ کے ساتھ اس کا انتظار کرتی بیوی۔ پرسکون خاموشی۔

اس مکمل منظر میں اگر کہیں کچھ غلط تھا یا نامکمل تھا تو فقط ان کا آپس کا رشتہ۔ وہ اس کی بیوی بنتے بنتے بھابھی بن گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ انس نے کبھی اسے اپنی بیوی بنانا چاہا ہی نہ تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا اس لیے نائلہ کا ارتکاز اسے متوجہ نہ کر سکا۔

آفس میں چلنے والی سیاست اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ کر خود آگے بڑھ جانے والی پالیسی اختیار کر کے' کمپنی کے کرتا دھرتا کے سامنے 'ہم اچھے ہیں۔ یہ برا ہے۔' کی رپورٹ پیش کرنے والے کتنے کامیاب رہے

تھے۔ اس کے جونیئرز کو لیگ اس کی سالوں کی محنت کو پیروں تلے روند کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اس کی محنت فقط ایک شاباش کی حق دار ٹھہری۔ اور دوسروں کی چاپلوسی اور خوشامد اتنی کام آئی کہ ان کی تنخواہوں میں اسی فیصد تک اضافہ کردیا گیا۔

گاڑیاں مل گئیں۔ ترقیاں ہوگئیں۔

انس اور اس جیسے چند ایک دوسرے محنتی دور کرزسب کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

اسے جب جب اپنے سے جونیئر اسٹاف کا خوشامدی لہجہ یاد آتا۔ غصے کی ایک تیز لہر اس کے اندر سر اٹھاتی۔ اس وقت بھی اس کی کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔ اس نے غصے سے سر اٹھایا تو سامنے نائلہ کھڑی تھی۔

"میں نیچے جارہی ہوں۔ آپ کو کھانا ابھی لادوں یا۔۔۔" یہاں اس وقت اس کی جگہ سوہا کو ہونا چاہیے تھا۔ مگر۔۔۔

"نہیں رہنے دو۔ سوہا آئے گی تو اس کے ساتھ ہی کھالوں گا۔" اس کا لہجہ روکھا سا ہوگیا۔ نائلہ باہر نکلتے ہوئے طمانیت سے مسکرادی۔

انس نے ایک بار سوہا کو فون کیا۔ نمبر بزی تھا۔ اس نے غصے سے فون پٹخ دیا۔ اب اس کا سوہا کو فون کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ انتہائی غصے میں سوہا کی گھر واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج پچھلے سارے دن کی محنت کی ناکامی کا نزلہ یقیناً" سوہا پر گرنے والا تھا۔



سوہا اور حدید کو امی نے کھانے کے لیے روک لیا تھا۔ آج خالہ جان بھی اوپر چلی آئی تھیں عفت کے سر میں درد تھا۔ وہ نیچے ہی رہی۔ یوں بھی نائلہ کی شادی کے بعد سے وہ کوشش کرتی تھی کہ حدید سے سامنا کم ہی ہو۔

اسے حدید کا سامنا کرنا مشکل لگتا تھا۔ وہ نائلہ سے ان دونوں کے تعلقات کے بارے میں زیادہ بات بھی نہیں کرتی تھی۔

کھانے کے فوراً" بعد ماہا کا فون آگیا۔ وہ سوہا کو بتانے لگی کہ وہ لوگ کہاں کہاں گھومنے گئے۔ حسیب کے دوستوں نے دعوتیں کیں اور یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔

سوہا، بہن کی خوشی میں خوش تھی۔

اس نے دو ایک بار انس کو فون بھی کیا یہ کہنے کے لیے کہ وہ بھی نائلہ کو لے کر ادھر ہی آجائے۔ مگر انس نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ بیل بجتی رہی۔ یہاں تک کہ خود ہی لائن کٹ گئی۔



رات کو گیارہ بجے کے قریب ان لوگوں کی واپسی ہوئی تو لائٹ نہیں تھی۔ انس چھت پر سونے جاچکا تھا۔ جو اس کی طرف سے ناراضی کا واضح اعلان تھا۔

نائلہ کمرے میں تھی۔ حدید اسے دیکھ کر کمرے میں ہی چلا گیا۔ وہ چھت پر چلی آئی۔ انس پتا نہیں واقعی گہری نیند میں تھا یا اسے دیکھ کر سوتا بن گیا سوہا بھی اس کے برابر میں ہی لیٹ گئی۔ جانے کس وقت نیند مہربان ہوئی، آنکھ کھلی تو سورج کی تیز شعاعیں منہ پر پڑ رہی تھیں۔

اس نے ہڑبڑا کر چادر منہ سے ہٹائی۔ وہ چھت پر اکیلی تھی۔ انس خدا جانے کس وقت اٹھ کر نیچے چلا گیا تھا۔

ایک پل کو تو اسے خوف محسوس ہوا کہ شاید وہ ساری رات چھت پر اکیلی سوتی رہی ہے۔ مگر اس وقت چونکہ دن نکل آیا تھا۔ اس لیے خوف زیادہ دیر حاوی نہ رہ سکا۔

نیچے آئی تو انس آفس کی تیاریوں میں تھا۔ اس نے سوہا سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ اس کی طرف سے ناراضی کا اظہار تھا۔

آج کچن میں نائلہ کا راج تھا۔ وہ نہ صرف جاگ چکی تھی۔ بلکہ حدید کا ناشتا بنانے میں لگی ہوئی تھی۔

سوہا ایک گہری سانس لے کر لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ وہ نائلہ کی موجودگی میں کچن میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ جس دن نائلہ واشنگ مشین لگا کر انس کے کپڑے دھوئے بغیر گھر چلی گئی تھی۔ اور سوہا کو اس کی وجہ سے انس کی ناراضی برداشت کرنے پڑی تھی۔ اس دن سے وہ نائلہ سے ذرا کھنچ سی گئی تھی۔

اس نے دوبار کچن کے دروازے تک چکر لگایا۔ مگر نائلہ مصروف تھی۔ بالآخر وہی ہوا جو اس نے سوچا تھا۔ انس تیار ہو کر نیچے آیا اور اسے وہیں ٹہلتا دیکھ کر ضبط سے ناشتے کا پوچھا۔

"آپ بیٹھیں میں بس دے رہی ہوں۔ دراصل آج...." انس نے اس کے گھبرائے ہوئے لہجے کی ادھوری وضاحت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"ایک گھنٹہ ہو گیا تمہیں نیچے آئے ہوئے۔ تم سے ابھی تک ایک آدمی کا ناشتا نہیں بنا۔" اس کی آواز بہت بلند تھی۔ سوہا کو لگا کچھ بھی کہنا بے کار ہے۔

بظاہر اس کے چلانے پر نائلہ بھی گھبرا کر کچن سے نکلی اور حدید کے لیے تیار کیا ہوا ناشتا لے جا کر میز پر رکھ دیا۔

"آپ یہ ناشتا کر لیں۔ سوہا جو آپ کے لیے بناتی۔ اب وہ حدید کر لیں گے۔" اپنے تئیں اس نے چٹکیوں میں مسئلہ نمٹایا تھا۔ انس نے ایک غصہ ور نگاہ شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی سوہا پر ڈالی۔

"حدید کا بھی تم ہی بنا دو۔ یہ تو صبح سے شام کر دیں گی۔"

سوہا حیرانگی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ کتنی بے یقین سی بات تھی کہ آج اس کے اتنے پیار کرنے والے شوہر نے نائلہ کے سامنے اسے باتیں سنائی تھیں۔ اس کے اوپر غصہ کیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ کہ کم سے کم کسی تیسرے کے سامنے سوہا کو براہ راست کچھ نہ کہے۔

نائلہ کچن میں جا چکی تھی۔ انس اس کی طرف سے پشت کیے تیزی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ سوہا کو لگا وہ بے کار ہی وہاں کھڑی ہے۔

حدید کمرے سے نکلا تو اس نے پژمردہ قدموں سے سوہا کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر اطمینان سے ناشتا کرتے انس کو۔ ذرا دیر پہلے کی آوازیں یقیناً" اس تک بھی پہنچی ہی تھیں۔

وہ انس کے طرز عمل پر صرف افسوس ہی کر سکتا تھا۔



ماہا کو یہاں آئے مہینے سے اوپر ہو چلا تھا۔ اس نے گھر کا انتظام مکمل طور پر سنبھال لیا تھا۔

حسیب کو صبح وہ خود ہی ناشتا بنا کر دیتی۔ پھر اس کے جانے کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد فراغت ہی فراغت ہوتی۔ دو بندوں کا کھانا بھی فنافٹ بن جاتا اور کبھی وہ لوگ ڈنر کرنے باہر چلے جاتے تو وہی کھانا دوسرے دن چل جاتا۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

حسیب نے دوستوں کے لیے پارٹی ارینج کی۔ حسب توقع پارٹی بہت اچھی رہی۔ زیادہ تر چیزیں ماہا نے اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ تمام دوستوں اور ان کی بیگمات کو حسیب کی بیگم کی طرح' اس کے ہاتھ کے کھانے بھی بہت پسند آئے۔

حسیب اور ماہا کے درمیان موجود عمروں کا واضح فرق اور دوسرے موضوعات کی طرح زیر بحث آیا۔ مگر سب ہی

کا مشترکہ خیال تھا کہ ان دونوں کی جوڑی اچھی لگتی ہے اور وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے خوب جچتے ہیں۔

وہ ہر روز کی طرح شام میں نہا دھو کر تیار بیٹھی حسیب کے آنے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آج اس نے حسیب کی پسند کا آسمانی رنگ کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ جو اس نے یہاں آنے کے بعد گفٹ کیا تھا۔ اپنی تیاریوں پر ایک آخری نگاہ ڈال کر اس نے حسیب کو کال کی۔

"کہاں ہیں آپ۔ آج اتنی دیر لگا دی آنے میں۔" لائن ملتے ہی اس نے بہت لگاوٹ سے پوچھا۔

"بس آ ہی رہے ہیں جان من۔ لگتا ہے بہت انتظار ہو رہا ہے۔"

"انتظار نہیں تو۔"

"اچھا تم انتظار نہیں کر رہیں میرا۔" اسے حیرت ہوئی۔

"بالکل نہیں۔" وہ مزے سے بولی۔

"تو پھر مجھے فون کیوں کیا۔"

"ایویں دل لگی کے لیے۔" وہ کہتے ہوئے ہنس پڑی۔

"اچھا۔ یہ دل لگی کہیں دل کی لگی نہ بن جائے۔"

"اوں ہوں۔ مشکل ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں اس مشکل کو آ کے آسان کرتا ہوں۔"

"آ جائیں دیکھتے ہیں۔" وہ فون بند کرنے کے بعد بھی دیر تک مسکراتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اماں عفت کے رشتے کے لیے پریشان تھیں اور زیادہ پریشان اس لیے تھیں۔ کیونکہ عفت نے شادی کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔

"کسی سے تو کرے گی نا۔"

"نہیں کسی سے بھی نہیں کروں گی۔"

"باؤلی ہو گئی ہے کیا۔" عفت نے پیاز کاٹتے ہاتھ روک کر انہیں دیکھا۔

"اس میں باؤلے ہونے کی کیا بات ہے۔ ضروری تو نہیں کہ دنیا میں ہر لڑکی کی شادی ضروری ہو۔"

"پر تو کوئی لاوارث ہے کیا۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا دنیا میں۔ شادی تو وہ بھی کر لیتی ہیں۔"

"کر لیتی ہوں گی۔ مجھے نہیں کرنی۔"

وہ اماں کی طرف سے رخ موڑ کر پیاز کاٹنے لگی۔ آنکھوں سے قطار در قطار موتی ٹپکنے لگے۔ یہ پیاز کی وجہ سے نہیں تھے۔ مگر صد شکر کہ بھرم رہ گیا تھا۔

اسے اب اکثر ہی اپنی وہ بات یاد آتی۔ جو اس نے جانے کس جھونک میں نائلہ کے سامنے کہی تھی۔

"حدید کو تو اسی گھر کا داماد بننا ہے ہر حال میں۔"

اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال یوں بھی ہو سکتی ہے۔

☼ ☼ ☼

ایک خوب صورت کینڈل لائٹ ڈنر کر کے وہ لوگ لانگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔ آج ماہا کا دل کچھ الگ ہی مخمور اور سرشار سا تھا۔ ساحل سمندر کی گیلی ریت، دیر تک اس کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھی رہی۔ اپنی اپنی سوچوں

میں گم۔ ایک دوسرے کی موجودگی کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے دونوں نے ہی ان لمحات کے امر ہو جانے کی دعا مانگی تھی۔

"اب چلیں۔" حسیب نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔

"ماہا۔" حسیب اسے دیکھ رہا تھا۔

"جی۔" وہ اپنے دامن سے ریت جھاڑ رہی تھی۔

"آئی لو یو۔" اس نے چونک کر حسیب کو دیکھا۔ پھر مسکرا دی۔

"آئی لو یو ٹو۔" اس نے حسیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حسیب نے ہاتھ تھام کر اٹھنے کے بجائے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا۔

دونوں کے لبوں سے پھوٹتی ہنسی کی چاندنی سے پورا ماحول مہکنے لگا۔



حدید نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ عفت کے بجائے نائلہ اس کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ مگر نائلہ اس سچائی کو تسلیم نہیں کر پا رہی تھی۔

حدید جتنا بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اپنے خول میں سمٹ جاتی۔ گھر اور گھر کے معاملات اس نے بخوبی سنبھال لیے تھے۔

حدید کے ذاتی کام، کپڑے، کھانے کی ذمہ داری وہ ایک ذمہ دار بیوی کی طرح نبھا رہی تھی۔ مگر رات کی تنہائی۔

رات کی تنہائی میں جب حدید اس کے بالکل پاس ہوتا۔ اس کا پہلو سلگنے لگتا۔ کبھی وہ سوتی ہوئی بن جاتی۔ حدید کی پکار بھی اسے جگا نہیں سکتی تھی۔ کبھی اس کے پاس تھکن کا بہانہ ہوتا۔ کبھی وہ حدید کے ساتھ کھڑ جاتی تو رات وہیں رک جاتی یا اٹھنے میں اتنی دیر لگا دیتی کہ حدید کا اپنا دماغ اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتیں۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ نائلہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ حقیقتاً" اس کا دل بھی ابھی تک پوری طرح نائلہ کی طرف مڑ نہیں پایا تھا۔ خوابوں کی ٹھنڈی راکھ کے نیچے اب بھی کہیں عفت کے نام کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ اب یہ نائلہ کے ہاتھ میں تھا کہ وہ اپنے حسن سلوک سے اس چنگاری کو بجھا کر اپنی محبت کا دیا جلاتی۔ یا پھر اس کا وجود کھنڈر ہو جاتا اور یہ چنگاری بھڑک اٹھتی اور اپنے ساتھ سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیتی۔

وقت آگے کیا کروٹ لینے والا تھا۔ اس کا انتظار ان تینوں میں سے کسی کو نہیں تھا۔ نہ عفت کو' نہ نائلہ' نہ حدید کو۔

مگر اس وقت کو کروٹ دلانے کی کوشش تینوں ہی اپنے اپنے طور پر کہیں نہ کہیں کر رہے تھے۔

نائلہ تنہائی میں حدید کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتی تھی۔ آتے بہانے اسے خود سے دور رکھتی۔ چند ایک بار کے علاوہ حدید کو کبھی خلوت نصیب نہ ہوئی تھی۔ حدید نے ابھی تک نائلہ کے گریز کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا تھا۔ کیونکہ اس کا دل ابھی تک اس طرح نائلہ کی طرف ملتفت نہ تھا۔ جس طرح نائلہ کی جگہ عفت کی موجودگی میں ہوتا۔

"اور عفت..... وہ کسی نئے رشتے' یا بندھن میں شادی کے نام پر بندھنے کو تیار نہ تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جس شخص کے ساتھ کی اس کو خواہش تھی..... وہ اس کی بہن سے جڑ چکا ہے۔ زندگی بھر کے لیے.....



حسیب کو صبح آفس جانا تھا پھر بھی وہ لوگ رات گئے تک جاگتے رہے۔ گھر واپسی پر حسیب اتنا تھک چکا تھا کہ لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا۔ ماہا کو یاد آیا اس نے سوہا کو فون کرنے کے لیے کہا تھا مگر اب رات بہت ہو چکی تھی۔ اس نے فون کرنے کا ارادہ ترک کر کے حسیب کا فون چارجنگ پر لگایا ہی تھا کہ کسی کی کال آنے لگی۔

کمرے کی خاموش فضا میں فون کی مدھم سی ٹیون بھی غیر معمولی شور پیدا کر رہی تھی۔ وہ جلدی سے کمرے سے باہر آ گئی کہ حسیب کی نیند خراب نہ ہو۔

"ولی کالنگ۔" اجنبی نام تھا۔

اس نے ایک لمحے کو سوچا اور فون کی آواز بند کرنے کے لیے سائلنٹ کا بٹن دبا دیا۔ پتا نہیں کون تھا یہ۔ اسے اس سے بات کرنی چاہیے بھی یا نہیں۔ کیا پتا حسیب کا کوئی دوست ہو یا کلائنٹ۔

کال کرنے والا یا تو ڈھیٹ تھا یا طبیعت سے فارغ۔ مسلسل پانچویں بار کال آنے پر اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو پاپا۔ ویئر آر یو۔ کب سے کال کر رہا ہوں آپ کو۔" ماہا کی سماعتوں پر کسی نے بم دے مارا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)